بعونہ سبحانہ وتعالیٰ حسن توفیقہ کتاب مستطاب فی احوال چند مشائخ عظام و
اولیائے کرام مسمی بہ

تذکرۃ الصلحاء
فی
بیان الاتقیاء

اصل بزبان فارسی

مؤلفہ جناب حضرت قدوۃ المشائخ حضرت خواجہ محمد حسن صاحب
فاروقی مجددی قدس سرہ

اور اس کا اردو ترجمہ
حسب فرمائش
جناب صوفی صاحب صدق وصفا شیخ عبد الرحیم صاحب کلکتہ والے

در
مطبع عباسی پریس کراچی سنہ ۱۳۷۲ ہجری
طبع شد

باعثِ طباعت ترجمہ

اصل کتاب فارسی میں کافی عرصہ سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی تھی لیکن بعض مخلصین جو فارسی سے نابلد ہیں بار بار اصرار کرتے تھے کہ اس کتاب کا اردو ترجمہ شائع ہونا چاہیئے تاکہ اردو دان حضرات کو بھی فائدہ اٹھانے کا موقع مل سکے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں جناب صوفی صاحب صدق و صفا شیخ عبد الرحیم صاحب کلکتہ والے مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کی کوششوں سے یہ ترجمہ ناظرین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ چکا ہے۔ خداوند کریم موصوف کی سعی مشکور فرمائے۔ اور جزائے خیر دے۔ آمین۔

اس سلسلہ میں جناب مفتی صاحبداد صاحب سابق معلم دینیات سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ جنہوں نے اصل کتاب کو اردو میں ترجمہ کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

ناشر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

از جناب مولوی محمد فاروق صاحب بہرائچی

الحمد للہ والمنہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من شرف امتہ بخیر الامۃ وعلیٰ الہ واولیائہ الذین بشرھم بالجنۃ۔ اما بعد اصحابِ دانش سے یہ بات مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن مخصوص نعمتوں سے حضرت امام ربانی محبوب سبحانی فردِ یزدانی غوث صمدانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا وہ بے شمار ہیں۔ منجملہ ان ہی سے یہ کہ اولادِ امجادِ آنحضرت جو علم و صلاح و تقویٰ میں بطور اسوۂ حسنہ کے تمام عالم اسلامی کے لئے ستاروں کی طرح رہنمائی کرتی ہے اور تمام عالم ان سے ظاہری و باطنی فیض حاصل کرتا ہے چنانچہ اکثر کتابوں سے ان کا احوال ظاہر ہوتا ہے اور انہیں میں سے ذاتِ ہمایونی مصنف "تذکرۃ الصلحا فی بیان الاتقیا" بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنے آبا و اجداد سے ظاہری و باطنی فیوض و برکات کا یہ سلسلہ ورثہ میں پایا ہے۔

حضور کا سلسلہ نسب یہ ہے حضرت امام الوقت شیخ الاسلام خواجہ محمد حسنؒ جان ابن حضرت سیدنا حاجی عبدالرحمٰنؒ ابن حضرت سیدنا حاجی شاہ عبدالقیومؒ ابن حضرت سیدنا محمد فضل اللہؒ ابن حضرت سیدنا شاہ غلام نبیؒ ابن حضرت سیدنا شاہ غلام حسنؒ ابن حضرت سیدنا غلام محمدؒ ابن حضرت سیدنا قطب الاقطاب شیخ غلام محمد معصومؒ ملقب بہ معصوم ثانی ابن حضرت سیدنا مولینا شیخ محمد اسمٰعیلؒ صاحب ابن حضرت سیدنا شیخ محمد صبغۃ اللہؒ ابن حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصومؒ ابن حضرت قیوم صمدانی غوث یزدانی امام ربانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

آنحضرت بتاریخ ۱۶ شوال المکرم ۱۲۷۵ھ قندہار میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ فیوضِ باطنی سے بھی بہرہ ور

ہوئے۔ جب افغانستان میں انقلاب رونما ہوا اور وہاں انگریزوں کا تسلط ہو گیا تو ۱۲۹۶ھ
میں تمام اہل وعیال کے ساتھ عربستان کی طرف ہجرت کی۔ جب علاقہ سندھ سے گزر ہوا۔ تو
وہاں کے بعض مخلصین صادقین کی استدعا پر قریہ "ٹکھڑا" میں جو مضافاتِ "حیدرآباد" سندھ
سے ہے توقف فرمایا۔ ان دنوں آپ نے بعض علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت علامہ الحاج الحافظ
مولوی بعل محمد المتعاوی سے حاصل کئے اور ۱۳۰۳ھ میں معہ تمام کنبہ کے حرمین شریفین میں
پہنچ گئے اور وہاں کے مشاہیر علماء کرام مثلاً حضرت شیخ سید احمد زینی دحلان و حضرت شیخ
رحمت اللہ مہاجر ہندی سے تکمیل علوم خصوصاً استفادہ و استفاضہ علم حدیث و اجازتِ رواتِ
صحاح ستہ حاصل کی اور باوجود موانعاتِ کثیرہ کے شب و روز حصولِ سعادات و کسبِ کمالاتِ
میں مصروف رہے اور ان دنوں میں باوجود طرح طرح کے مشاغل کے اپنی عالی ہمتی اور لطفِ
الٰہی سے کلام اللہ شریف حفظ کر لیا اور بعد پانچ سال کے اپنے والد ماجد کے ارشاد کے
مطابق سندھ میں واپس آئے اور قصبہ مذکور میں سکونت پذیر ہوئے جب ۱۳۱۵ھ میں آپ
کے والد ماجد نے انتقال فرمایا تو آپ باتفاق اعزہ و علماء مخلصین مسند آرا طریقت ہوئے
اور قریہ "ٹنڈہ سائیں داد" میں ایک مسجد تعمیر کر کے وہاں سکونت اختیار کی اور ۱۳۲۱ھ میں پھر
حرمین کے سفر کا شوق تازہ ہوا اپنے دوستوں اور مخلصوں کے ساتھ حرمین تشریف لے گئے اور
۱۳۲۲ھ میں واپس تشریف لائے چوتھی دفعہ پیغمبروں اور اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت
کے لئے براہ عراق و بغداد حج کا سفر اختیار فرمایا اور شام و بیت المقدس کی زیارت سے فیضیاب ہو کر
وطن واپس لوٹے۔ اس سفر کے عجیب و غریب حالات اور مشاہدے آپ نے ایک رسالہ
میں مفصل تحریر فرمائے ہیں۔

اب آپ کی خانقاہ پر جو فقیروں اور نیک لوگوں کی زیارت گاہ ہے بہت لوگ ٹنڈہ
سائیں داد ڈاکخانہ ٹنڈہ محمد خان ضلع حیدرآباد سندھ میں احکام خداوندی کے مطابق کسبِ ہدایت
اور وظائف و عبادات میں مصروف ہیں۔ خاص کر ان حضرات کا وجود اس لحاظ سے بہت

غنیمت ہے کہ مذاہبِ باطلہ کی تردید اور اہلِ سنت وجماعت کی تائید میں ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ متع اللہ المسلمین بطول بقائہ وافاض علینا من وجود برکاتہٖ۔
یہ حضرت اپنی عدیم الفرصتی کے باوجود تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں بہت دسترس رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تصانیف زمانہ حاضرہ میں بہت ممتاز حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب انیس المریدین نامی ہے اس میں تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو ان کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں درج ہیں جو خاص وعام کے لئے بہت نفع مند ہیں۔ دوسری کتاب رسالہ تہلیلیہ ہے اس میں کلمہ طیبہ اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کا ذکر ہے۔ تیسری کتاب اصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ کے نام سے موسوم ہے یہ کتاب نہایت ہی نفیس ہے اس میں حنفی و وہابی اور مقلد اور غیر مقلد کے مابہ النزاع مسائل درج ہیں اس میں آپ نے چار مختلف فیہ مسائل کا ذکر کیا ہے اور کتاب اللہ اور احادیث و اقوال علماء و صلحاء سے یہ بات ثابت کی ہے کہ کوئی شخص اپنی آنکھوں سے تعصب کا پردہ اتار ڈالے اور عمدہ فکر اور انصاف کو مدِ نظر رکھے تو مسئلہ تعظیم لغیر اللہ اور توسل اور استمداد نیک لوگوں سے حاصل کرنا اور غائب کو ندا کرنا اور مردوں کا سننا اور چاروں اماموں کی تقلید صاف صاف روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔
یہ رسالہ آپ نے اپنی کوشش سے چھپوا کر مفت تقسیم فرمایا۔ ان کے غیر مطبوعہ رسائل بھی بہت ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ یہ ہے جو طبع ہو کر ناظرین کے ہاتھ میں ہے ۱۳۴۲ھ میں حضرت امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر سرہند شریف میں راقم نے بہمراہی حاجی حافظ محمد سعید مالک مطبع نظامی کانپور مصنف موصوف کی زیارت کی۔ اور آپ نے یہ رسالہ اور دیگر رسائل بھی طباعت کے لئے مجھے عطا فرمائے سرہند شریف کے عرس کے موقع پر مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنجناب مجددیہ خاندان میں سب سے معمر اور تقویٰ و پرہیزگاری کے مجسمہ ہیں۔ خیر الناس من ینفع الناس۔

اس موقع پر آپ نے یہ رسالہ جس میں طرح طرح کے مشاہداتِ بزرگانِ کرام اور عجائباتِ چشم دید درج ہیں طباعت کے لئے مجھے عطا فرمائی۔ میں نے یہ چند کلمات آپ کے مختصر حالات کے ساتھ بطور تمہید عرض کئے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو ہمارے سروں پر دیر تک سلامت رکھے۔

الراقم

محمد فاروق بہرائچی۔ مدرس مدرسہ جامع العلوم

کانپور

۴ جمادی الثانی ؁۱۳۴۷ھ

مقدمہ —— از مؤلف رسالہ تذکرۃ الصلحاء

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ. لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ؕ

اے عزیز دوست! علماء کرام نے ولی کی تعریف کئی طریقوں سے ادا فرمائی لیکن جامع و مانع اور احسن تعریف وہ ہے جو رب العزت نے آیۂ محولہ بالا میں فرمائی یعنی مومن متقی ولی خدا ہے. اگر دریافت کریں کہ متقی کون ہے تو کہوں گا کہ متقی وہ ہے جو قولاً وعملاً وعقیدۃً وسراً وعلانیۃً شرعی حکم کا عامل اور ممنوعات شرعی سے بچنے والا ہو. اور یہ جو پنجوقتہ نماز میں پڑھا جاتا ہے اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ اس کا مصداق ہو نیز راز یہی ہے. فَلْتَکُنْ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ

پس میری نصیحت یاد رکھ جو میں نے تجھے کی. خدا تیرا حافظ و ناصر ہو. اور بنائے رسالہ تذکرۃ الصلحاء اسی اصل پر ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد اس فقیر محمد حسن مجددی جیسے کم پایہ اور بے کار انسان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ گذشتہ صالحین اور بزرگانِ دین کے تفصیلی حالات تو بہت سی کتابوں میں لکھے جا چکے ہیں۔ اس پر اضافہ کرنا نہ فقط مشکل بلکہ تحصیل حاصل ہے لہٰذا حسبِ ارشاد فیض بنیاد "عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ" یعنی صالحین کے ذکرِ خیر سے رحمتِ الٰہی جل شانہٗ کا نزول ہوتا ہے۔ اب ان بزرگانِ وقت کے ذکرِ خیر سے برکت حاصل کی جائے جن کے شرفِ صحبت سے نیازمند راقم الحروف مشرف ہوا ہے تو امید ہے کہ ان کی برکت سے مجھ پر بھی رحمتِ الٰہی جل شانہٗ کا دروازہ کھل جائے گا۔

اصلی مطلب شروع کرنے سے پہلے حضرت مولٰنا جامی علیہ الرحمۃ کا وہ قصیدہ تبرکاً لکھنا موزوں سمجھتا ہوں جو ان کی مشہور کتاب "نفحات الانس" کے آخر میں درج ہے۔

چیست اقوم کیہ دید حق بود دیدارِ شان — محو باشد در شہود سرِ غیب اسرارِ شان

وہ بہترین قوم جن کا دیکھنا حق کا دیکھنا ہے۔ اور جو غیبی رازوں کے دیکھنے میں محو ہیں۔

جملہ در کیف فنا در ہستی خود خفتہ اند — لیک پندارند خواب آلودگان بیدارِ شان

وہ سب اپنی ہستی کو جیتے جی فنا کر چکے ہیں مگر غافل لوگ ان کو بیدار سمجھتے ہیں۔

گرچہ آن دانند خورشیدِ جمالِ خود بگل — مشرقِ و مغرب گرفتہ پرتوِ انوارِ شان

اگرچہ وہ اپنے آفتابِ وجود کو ایک جگہ پابند سمجھتے ہیں۔ مگر ان کے پرتو سے سارا جہان روشن ہے

از خدا خواہند سترِ ذاتِ خود در ذاتِ او — این بود ساعت بہ ساعت سرِ استغفارِ شان

وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات میں فنا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی ان کے گھڑی گھڑی استغفار کرنے کا راز ہے

ریختہ بارانِ عرفان از سحابِ مکرمت — شستہ نقشِ حرفِ غیر از صفحۂ پندارِ شان

ابر رحمت سے ہی ان پر عرفان کی بارش ہوئی ہے جماسوا اللہ کا نقش ان کے دلوں سے دھویا گیا ہے۔

ہر یکے را با خود از سودائے دل بازار ہا   ز آتش شوق محبت گرمئ بازار شان

ہر ایک کے دل میں عشق الٰہی جل شانہ کی آگ بھڑک رہی ہے اور وہ اسی بارونق سودا میں محو ہیں۔

یکدم از طوف در و دیوار شان منشین کہ ہست   صد کشایش از در و شکستی از دیوار شان

ایک گھڑی بھی ان کی آستان بوسی سے غافل نہ ہو کیونکہ ان کے شرف صحبت سے فیض کے صدہا دروازے کھلتے ہیں

کار شان جز نفی ذات و صفت فعل خویش نیست   اے خدا چہ بود کہ جامی را کنی در کار شان

اپنی ہستی اور ذات پات کو فنا کرنا ہی ان کا مشغلہ ہے یا الٰہی تیرے فضل سے کیا بعید ہے کہ جامی کو ایسوں کے کام میں لگا دے

اے رب العزت اگرچہ گنہگار ہوں مگر تیری رحمت کا امیدوار ہوں اور کریم کے دروازے سے کوئی محروم نہیں جاتا۔ کیونکہ رحمت بے پایان کے زیادہ مستحق گنہگار ہی تو ہیں۔

حضرت علامہ بوصیری علیہ الرحمۃ نے قصیدہ بردہ میں خوب فرمایا ہے ؎

لعل رحمۃ ربی حین یقسمہا   تاتی علی حسب العصیان فی القسم

امید ہے کہ میرے پروردگار کی رحمت تقسیم ہوگی۔ تو گناہوں کے انداز پر ہی اس کا حصہ ملے گا۔

اب میں اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ یہ کہ جن کے شرف صحبت سے مشرف ہوا ہوں۔ ایک میرے والد اور مرشد قبلہ قدس سرہٗ ہیں۔ جن کا مفصل احوال زندگی اور ملفوظات و کرامات وغیرہ کو میں نے کتاب "انیس المریدین" میں لکھا ہے جو چھپ کر مشہور ہو چکی ہے جس شخص کو دیکھنا مقصود ہو وہ کتاب مذکور کی طرف رجوع کرے۔ اس مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان کے مجموعۂ اخلاق محمدی اور منبع اسرار الٰہی ہونے کا مفصل تذکرہ کیا جائے مگر چونکہ اس رسالہ کا مقصد ہی ان بزرگوں کے حالات بیان کرنا ہے لہٰذا بطریق اختصار گویا دریا سے قطرہ اور خروار سے نمونہ لیا جاتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی ولادت ۱۲۴۴ھ شہر احمد شاہی (قندہار) میں ہوئی اور جب سن تمیز کو پہنچے تو علوم مروجہ کو ابتداء سے انتہا تک وہاں کے علماء سے حاصل کیا

اور باطنی کمالات اپنے والدِ ماجد خلاصۂ آلِ حضرت معصوم علیہ الرحمۃ حضرت شیخ عبدالقیوم سرہندی مجددی قدس سرہ سے حاصل کئے۔ ۱۲۷۱ھ میں حضرت والدقدس سرہٗ کے انتقال کے بعد مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہو کر کمال استقامت کے ساتھ طالبانِ حق کو فیض پہنچاتے رہے اور اخلاق محمدی کی خلعت سے سرافراز ہوئے۔ تواضع، مسکینی، استقامت شریعت توکل، صبر، رضا، خدمتِ فقرا، خلقِ خدا پر رحم فرمانا، تقویٰ، سخا تو آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ انیس الطالبین میں ان کے حمیدہ اخلاق کو جداگانہ بابوں میں بیان کیا گیا ہے۔

۱۲۹۷ھ میں قندھار سے باعیال و اطفال ہجرت فرما کر پانچ سال حرمین شریفین میں رہے نیازمند مؤلف رسالہ ہٰذا جس کا تولد ۱۲۸۳ھ شوال کو قندھار میں ہوا بھی اس مبارک سفر میں حاضر خدمت تھا۔ حرمین شریفین سے واپسی کے بعد باقی عمر ٹکھڑ ضلع حیدرآباد سندھ میں بسر فرما کر مخلصین و مریدین سندھ کو فیضیاب فرمایا۔

اگرچہ مالی فتوحات آپ کو بکثرت حاصل تھیں۔ مگر اپنی خوراک اور پوشاک وغیرہ سکنی مکانات میں سادہ اختیار فرماتے تھے اور کمال سادگی کے ساتھ ساری عمر گزاری۔ مریدوں سے نذر نیاز کے ذریعہ جو مالی فتوحات حاصل ہوتی تھیں وہ زیادہ تر حاجتمندوں اور فقرا و مساکین اور قرابت داروں پر خرچ فرماتے تھے اور اس میں سے تھوڑا سا حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ فرماتے تھے۔

دنیاوی سامان و اسباب جو آپ نے جمع فرمایا تھا وہ صرف کتابیں تھیں تمام علوں سے جس کتاب کا نام سنتے وہ قیمت پر حاصل کرتے یا اس کو نقل کروا کر کتب خانہ میں داخل فرماتے۔ کتابوں کی حفاظت اور مطالعہ کے لئے بہت کوشش فرماتے تھے بلکہ اپنی اولاد اور متعلقین کو بھی یہی نصیحت کرتے کہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ ظاہری اعمال اور ریاضات سے باطن کی صفائی میں زیادہ کوشش فرماتے اور اخلاقِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیادہ پابندی فرماتے۔ حرمین شریفین کا شوق ساری عمر آپ کو دامنگیر تھا۔ چنانچہ سات

مرتبہ اس مبارک سفر سے بہرہ ور ہوئے۔ اور اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے بھی دور دراز سفر کرتے تھے اور مدت تک مزارات پر اقامت فرماتے۔ اپنی باطنی حالات کو غیروں کی نظر سے چھپانا آپ کا خاص شیوہ تھا کسی مرید یا مخلص سے روبرو یا کتابت کے ذریعے اپنی توصیف سنتے تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور استغفار پڑھتے۔ مہمانوں اور فقرا کی خدمت بہ نفس نفیس فرماتے۔ پیادہ پا اور اکیلا جانا یا خاک اور چٹائی پر سونے سے بالکل عار نہ فرماتے اور اپنے کو سکین ابن السکین کہا کرتے عوام و غریب حاجتمند لوگوں کی خدمت ادا کرنے کی بہت کوشش فرماتے الغرض اخلاقِ الٰہی جل شانہ کے پورے پیرو تھے اور اپنے وقت کے لاثانی تھے افسوس کہ ایسے شاہانہ گوہر اور مجموعہ اسرار کی قدر کسی نے نہ پہچانی اور اسی طرح اپنے سربستہ رازوں کے ساتھ انوارِ الٰہی میں محویت پا گئے۔ چاشت جمعہ دوم ذیقعد ۱۳۱۵ھ کو بعارضہ بواسیر واسہالات دنیائے فانی سے انتقال فرما کر حضرت ذو الجلال کی رحمت میں آرام فرما ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اکہتر سالہ عمر کو نہایت نیک نامی کے ساتھ آخر تک پہنچایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

ومنہم مولٰنا شیخ حاجی محمد صدیق صاحب بلوچ مستونگی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جو حاجی صاحب کے نام سے مشہور تھے۔ آپ قدوۃ العارفین اور زبدۃ الواصلین تھے۔ اور اس آیہ شریفہ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ، کے پورے مصداق تھے۔ آپ اصل میں خراسانی بلوچ قوم سے تھے۔ شہر قندہار افغانستان میں نشوونما پائی۔ علوم ظاہری اور باطنی بھی وہاں حاصل کئے۔ آپ کی نسبتِ ارادت جناب حضرت ملا ولی محمد صاحب ترخی افغان قندہاری علیہ الرحمۃ سے ہے جو متبحر عالم اور بے مثل فاضل تھے علم تفسیر میں تو خاص طور پر لاثانی تھے اور ہمیشہ قرآن شریف کا وِرد بار ترجمہ و تفسیر وعظ کے طور پر ادا کرتے اور ان کے وعظ پر لوگ اس قدر جمع ہوتے کہ بڑے بڑے ذی قدر لوگوں کو بیٹھنے کی جگہ تک نہ مل سکتی۔ اور حضرت ملا ولی محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت ارادت دو واسطوں سے جناب

مولانا حاجی مستونگی

حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی علیہ الرحمۃ سے ملتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی نسبت اور رفعت منزلت تو اظہر من الشمس ہے۔

الغرض حاجی محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مرشد بزرگوار کے انتقال کے بعد وسط عمر میں قندہار سے قصبہ مستونگ ریاست قلات بلوچستان میں آکر سکونت اختیار فرمائی اور ساری عمر تجرد میں گزاری اور شادی بالکل نہ کی۔ ہمیشہ روزہ رکھتے۔ عباداتِ الٰہیہ میں اس قدر تکالیف اٹھاتے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے اور خدا تعالیٰ کی عنایت کے بغیر کسی سے ایسی ریاضتِ شاقہ ہو بھی نہیں سکتی۔ اگلے بزرگوں کی ریاضاتِ شاقہ کا احوال کتابوں میں پڑھ کر تعجب سے کہنا پڑتا تھا کہ شاید مصنفین نے مبالغہ سے کام لیا ہوگا۔ مگر ہم نے جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کو دیکھا تو یقین ہوا کہ مصنفین نے کتب قدیمہ میں اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ریاضت کے متعلق بالکل ہی تھوڑا لکھا ہے بیشک ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جس کو چاہے عطا فرمائے اور خدا تعالیٰ بہت ہی بڑے فضل کا مالک ہے۔

حاجی صاحب دو تین دن روزہ رکھنے کے بعد افطار کے وقت اپنے ہاتھ سے ایک روٹی پکاتے یا بعض اوقات بیماری کے باعث یا تدریس میں مصروف ہونے کے باعث اپنے ایک خاص خادم شیخ سے روٹی پکواتے اور روٹی کا کچھ حصہ پانی میں بھگو کر افطار فرماتے باقی حصہ دوسرے دن کے لئے رکھ لیتے یا کسی محتاج کو دیدیتے۔ مریدوں سے کچھ لینے یا ان کی دعوت کھانے سے سخت نفرت کرتے اگر کبھی کسی مخلص کی دلجوئی کے لئے اس کی دعوت پر حاضر ہوتے تو اسی اپنی پکائی ہوئی روٹی سے اس کے دسترخوان پر افطار فرماتے۔ طالب علموں کو درسی کتابیں تمام زحمت سے پڑھاتے۔

آپ کے خاص خادم شیخ سے معلوم ہوا کہ ایک رات مغرب کی نماز کے بعد حضرت حاجی صاحب نے خلافِ معمول جلدی سے اپنے حجرہ میں داخل ہو کر چائے دانی میں پانی گرم کیا

اور ایک مٹھی درمنہ ترکی کے پتوں کی اس میں ڈال کر جائے کی طرح گھونٹ گھونٹ کر کے پینا شروع کیا۔ درمنہ ترکی جس کو شیخ دگو مادر بھی کہتے ہیں نہایت کڑوا ہے۔ اگر بقدر ایک مثقال ایک گھڑے پانی میں جوش دیا جائے تو سارے پانی کو زہر جیسا سخت کڑوا کر دیتا ہے آپ گھڑی گھڑی کے بعد تکلیف سے اس کا ایک ایک گھونٹ پیتے ہم نے عرض کی کہ آپ کیوں ایسی تکلیف فرما رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آج مغرب کی نماز میں مجھے چائے پینے کا خیال پیدا ہوا۔ اور اس نفسانی خواہش نے مجھ پر نماز ادا کرنی تنگ کر دی اب میں اپنے نفس کو کہتا ہوں کہ یہ تیری چائے ہے پی مگر وہ پینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آئندہ چائے کی خواہش ظاہر کرنے سے میں نے توبہ کی۔ مجھے چھوڑ دے۔ آخر جتنا پی سکتے تھے پیا اور اسی پر روزہ رکھ لیا۔

۱۳۲۲ھ میں ایک موقع پر نیاز مند کاتب الحروف کا مستونگ جانا ہوا۔ شہر کے کنارے پر ایک مخلص کے مکان پر قیام کیا۔ اسی وقت دیکھا تو حضرت حاجی صاحب طالب علموں اور خادموں کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور اپنی ملاقات سے بہت مسرور فرمایا۔ آپ کا حلیہ شریف کالمیت یمشی علی وجہ الارض کا مصداق تھا۔ گویا ایک میت زمین پر چلتی پھرتی نظر آتی ہے۔ لباس سادہ سوتی، سر پر سادہ سی پگڑی چھوٹا سا قد سر منڈا ہوا داڑھی مبارک سفید۔ باہر سے مخلوقات کے ساتھ ملا ہوا اور اندر سے حضرت خلاق عالم جل شانہ کے ساتھ مشغول الغرض آپ نہایت تواضع کے ساتھ مل کر نیچے بیٹھے اور بہت نرمی کے ساتھ خیریت پرسی فرما کر ملاقات سے مسرور فرمایا۔ ایک گھڑی بیٹھے طبع پر خاموشی غالب تھی۔ دو تین علماء بھی آپ کے ہمراہ تشریف لائے تھے نیاز مند نے فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ملک سندھ اور ہند کو دار الحرب کہنا چاہیئے یا نہ۔ تو آپ نے اپنے ایک ہمراہی عالم سے پوچھا۔ کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے عرض کی کہ میری دانست میں دار الحرب کہنا چاہیئے اس پر آپ نے فرمایا اینہم گا

پھر ایک دوسرا عالم جو آپ کے ہمراہ تھا اس نے عرض کیا کہ جب اسلامی احکام کے ادا کرنے کی آزادی ہے اور اسلامی شعار ثابت ہیں تو ہندوستان کو کیونکر دارالحرب کہا جاسکتا ہے پھر اسے بھی آپ نے نرمی کے ساتھ فرمایا۔ یہ مسئلہ ایسا ہی ہوگا۔

بعد میں مسئلہ خراج درمیان میں آیا کہ اگر حاکمِ وقت کو زمین کی پیداوار سے خراج دیا جائے تو شرعی حق ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ پھر آپ نے حاضرین علماء سے پوچھا اس پر بھی جس سے جو جواب ملا تسلیم فرما کر کہا ایسا ہی ہوگا۔ الغرض اپنی دانش اور علمی کمال کو درمیان سے نکال کر تسلیم فرماتے رہے اس کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔

اس سے دوسری رات قصبہ کے مالدار لوگوں میں سے ایک شخص نے جو کہ حضرت حاجی صاحب کا مرید تھا مجھے دعوتِ طعام دی میں نے اس شرط پر اس کی دعوت قبول کی کہ حضرت حاجی صاحب بھی شریکِ دعوت ہوں۔ چنانچہ اس کے عرض کرنے پر حضرت حاجی صاحب دعوت میں تشریف لے آئے اور اس شخص کے دسترخوان سے میری خاطر کچھ قدر بے روغن چاول تناول فرمائے اگرچہ وہاں دسترخوان پر بہت قسم کے کھانے حاضر تھے مگر آپ نے کسی چیز کی طرف رغبت نہ فرمائی بعد از فراغتِ دعوت معلوم ہوا کہ وہ بے روغن چاول آپ نے اپنے ہاتھ سے حجرہ میں خود ہی پکا کر دسترخوان پر رکھوا دئے تھے۔

تیسرے دن جب میرا واپسی کا ارادہ ہوا تو وداعی ملاقات کی غرض سے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ بہت تواضع اور شفقت سے پیش آئے اور دعائے خیر سے ممتاز فرمایا اور دروازے تک رخصت کے لئے آئے یہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری آخری ملاقات تھی وہاں کے لوگ نہایت سچے اعتقاد کے ساتھ آپ سے مستفید ہوتے تھے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے آپ کی بہت سی کرامات اور خرقِ عادات بیان کرتے ہیں۔ جو اس مختصر رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔ آپ کے مناقب اور خارق عادات کے متعلق ڈاکٹر حاجی عبداللہ خان پنجابی نے جو آپ کے خاص اور مخلص مریدین میں سے

ایک مثنوی لکھی ہے جو چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے مگر جو استقامت آپ کو حاصل تھی اس سے زیادہ اور کونسی کرامت ہوگی بہت بڑی کرامت تو یہی استقامت ہے۔

سننے میں آیا کہ ایک دفعہ حضرت حاجی صاحب مرحوم حضرت خواجہ ابوالخیر صاحب مجددی جن کی اس زمانہ میں افغانستان کے اندر بڑی شہرت تھی، کی ملاقات کے لئے کوئٹہ تشریف لے گئے حضرت ابوالخیر صاحب نے آپ کو ملاقات کی اجازت نہ دی۔ آپ واپس مستونگ تشریف لے آئے اور پیرزادگی کی وجہ سے ہمیشہ آپ ان کی خدمت میں سالانہ نذرانہ معقول انداز میں بھیجا کرتے اور ملاقات کی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے ذرہ بھر مکدر خاطر نہ ہوئے۔ اس قصہ کی ذمہ داری راوی کے اوپر ہے۔

آخر عمر میں آپ پر محویت اور استغراق کی حالت بہت غالب تھی بعض اوقات تو تین تین دن تک استغراق رہتا اور اپنی خبر تک آپ کو نہ رہتی ایسی حالت کے ہوتے ہوئے بھی خدائے قدوس کی شان ہے کہ نماز کے وقت پر آپ کو افاقہ حاصل ہو جاتا اور آپ نماز ادا کرتے پھر استغراق کی حالت طاری ہو جاتی ایسے وقت میں بھی سوال و جواب کھانا پینا اور گفتگو کر سکتے مطلب یہ کہ آپ کا وجود مبارک خدا تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا اور حضرت فخر عالم علیہ افضل الصلوٰت و اکمل التسلیمات والتحیات کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔ آپ نے ۱۳۲۷ھ میں انتقال فرمایا اور آپ کو اپنے دائرہ مسجد اور خانقاہ واقع مستونگ میں ہمیشہ آرام فرمانے کے لئے سپرد خاک کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے بعد آپ کے خلیفہ مولوی فیض اللہ صاحب کو مسند نشین مقرر کیا گیا۔ مسجد شریف اور خانقاہ کی آبادی کا اہتمام خلیفہ صاحب کے حوالے ہوا۔ جو حضرت حاجی صاحب کے مریدوں کو بھی مستفید فرماتے رہے۔ شہر مستونگ میں سب سے بڑی آباد اور بارونق جامع مسجد شریف یہی ہے۔ جس کو ۱۹۳۵ء والے زلزلہ کے بعد خان معظم آف قلات نے جدید طرز پر بہت عمدہ تعمیر کرایا ہے۔

ومنہم حضرت شیخ حاجی غلام نبی صاحب افغان کوہ سلیمانی سلمہ ربہ ہیں جو خلیفہ صاحب کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ مراتی افغان قوم سے ہیں۔ انواع صلاح سے آراستہ اور اعلے مراتبِ فلاح سے پیراستہ ہیں۔ آپ کا اصلی وطن کوہ سلیمان ہے جو ڈیرہ اسمٰعیل خان سے شمال کی طرف واقع ہے۔ آپ کی نسبت ارادت اپنے چچا بزرگوار مولانا شیخ ملا افطار صاحب رحمہ ربہ سے ہے بچپن میں یتیم ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنے چچا بزرگوار کی تربیت میں رہتے منازل سلوک طریقہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرار اہالیہا طے فرمائے ہیں۔ آپ کے چچا بزرگوار حضرت حاجی دوست محمد صاحب قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے راستین خلفا میں سے تھے اور حضرت حاجی دوست محمد صاحب حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی دہلوی ثم مدنی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب ممدوح حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی دہلوی کے مسند نشین تھے پھر باقی سلسلہ حضرت شاہ غلام علی صاحب کے خاندان کا تو اظہر من الشمس ہے۔

حضرت حاجی دوست محمد صاحب مذکور اپنے مرشد سے مجاز ہو کر کوہ سلیمان کی حدود میں جو افغانستان کی سرحد ہے مخلوقات کی فیض رسانی میں بڑی ہمت سے مشغول ہوئے ہزار ہا افغانوں اور اہلِ پنجاب کو آپ نے مستفید فرمایا اور بہت سے خلفا آپ کی توجہ باطنی سے کمال کو پہنچے۔ جن کا تفصیلی ذکر کتاب انوار احمدی میں مصنفہ حضرت شیخ محمد مظہر مجددی مدنی قدس سرہ میں موجود ہے۔

شیخ حاجی غلام نبی صاحب بچپن میں اپنے چچا بزرگوار کی پرورش میں حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں شام کے ترکوں کو آپ کے عم بزرگوار سے اس لئے بہت عقیدت مندی پیدا ہوئی کہ آپ حضرت مولینا خالد رومی علیہ الرحمۃ کے پیر بھائی تھے۔ اور حضرت خالد رومی علیہ الرحمۃ کو روم و شام میں بڑی شہرت حاصل تھی۔ دوسری دفعہ جب کہ حضرت حاجی غلام نبی صاحب کی عمر تقریباً بیست سال کی تھی اور اپنے عم بزرگوار کی ہمرکابی میں

حرمین شریفین پہنچے۔ تو بعد فریضہ حج آپ کے چچا بزرگوار کو قسطنطنیہ کے بعض باشندوں نے قسطنطنیہ تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ دعوت قبول فرما کر با عیال و اطفال اس طرف روانہ ہوئے کم و بیش چار مہینے وہاں رہ کر حجاز مقدس واپس تشریف لائے اور وہاں سے پھر اپنے ملک پہنچے اور سنہ ۱۳۲۰ھ میں انتقال فرمایا اور اپنے برادر زادہ حضرت حاجی غلام نبی صاحب کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرما گئے۔

خلیفہ صاحب کو ۱۳۳۲ھ میں با عیال و اطفال حرمین شریفین کی ہجرت کا شوق دامنگیر ہوا مگر گزشتہ جنگ عالمگیر چھڑ جانے کے باعث آپ کو وہاں جانے کی اجازت نہ مل سکی اور واپس کوئٹہ بلوچستان پہنچے اور بعض ناصر قوم کے مخلصین کی کشش اور کوشش سے وہاں سے قندہار تشریف لے گئے اور ناصروں کے گاؤں میں ایک سال قیام فرمایا پھر حجاز مقدس جانے کے عزم سے با عیال کوئٹہ تشریف لائے اور آگے جانے کا امکان نہ دیکھ کر مجبوراً یہاں رک گئے وہاں کوئٹہ میں نیاز مند کو ۱۳۳۴ھ میں آپ سے ملاقات کا موقعہ ملا کیونکہ آپ کا قیام بھی اسی گاؤں میں ہوا جہاں نیاز مند کوئٹہ کے قریب قریہ کلی شابو میں اکثر گرمی کے ایام میں جاتا ہے۔ ملاقات کے بعد حضرت ممدوح کو نیاز مند کے ساتھ ایسا قلبی ارتباط پیدا ہوا جو روزانہ اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے مجھ جیسے ناکارہ کے پاس تشریف لاتے اور اپنی نیک صحبت سے مجھے ممنون فرماتے۔ آپ کا حسن اخلاق و تواضع و مسکنت و مجاہدت و استقامت بیان کرنے سے باہر ہے باوجود کثرت عیال اور تکلیفات زمانہ و مشقت پردیسی کے کبھی اشارۃً و کنایۃً بھی اپنے احوال کا اظہار نہ فرمایا۔ بعض بلوچ لوگوں کو آپ سے نیک اعتقادی پیدا ہوگئی تھی اور کچھ قدر خدمت بجا لاتے مگر جس قدر آپ کی شان کے مطابق خدمت ہونی چاہئے وہ ہرگز نہ تھی۔

ایک دن آپ نے حکایت بیان فرمائی کہ ایک دفعہ میرے چچا بزرگوار نے گاؤں سے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں جا کر تنہائی میں مراقبہ فرمایا۔ کچھ وقت کے بعد میں بھی ان کے پیچھے

گیا وہاں جاکر دیکھا تو بیابان کے وحشی جانور اور پہاڑ کے پرندے کبک وغیرہ آپ کے گرداگرد جمع ہیں اور اطمینان سے بیٹھے ہیں اور شفقت کی وجہ سے بعض کی پیٹھ پر آپ اپنا ہاتھ پھیر رہے ہیں، جب میں وہاں پہنچا تو سب بھاگ کر چلے گئے پھر آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ خبردار میری حیاتی میں یہ حکایت کسی سے بیان نہ کرنا۔

ایک دن زمانہ سابق کی برکت کے متعلق ذکر چھڑا تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے بچپن کے زمانہ میں حضرت مرشد قبلہ گاہ کی خدمت میں کوئی مہمان آیا۔ اس وقت گھر میں کچھ نقدی موجود نہ تھی۔ جس کے ذریعہ اس کی مہمانی کی جائے آپ نے کسی سے ایک روپیہ قرض لیا۔ اور ایک دنبہ خرید کر کے مہمان کی ضیافت فرمائی۔ کچھ مدت کے بعد قرض خواہ پہنچا مگر اس وقت بھی گھر میں کچھ نقدی موجود نہ تھی آخر ایک روپیہ کے عوض میں گیہوں کا ایک من اسے دیدیا۔

حضرت خلیفہ صاحب قرآن شریف کو تجویدی قواعد کے ساتھ پڑھتے تھے۔ آپ کے صاحبزادوں میں سے دو درمیانی صاحبزادے ایک میاں عبدالحلیم صاحب بعمر ۱۸ سال دوسرا میاں عبدالرحیم بعمر ۱۲ سال قرآن شریف کے حافظ ہیں۔ حضرت موصوف کو حرمین شریفین کی سکونت کا شوق اعلیٰ درجہ کا نصیب ہے اور آپ ہمیشہ اسی خوش خیالی میں مستغرق اور محو نظر آتے ہیں اور راستہ کھلنے کے انتظار میں ہیں۔

آپ رات دن عبادات اور اوراد موظف میں زندگی بسر فرماتے ہیں آپ کی عمر تقریباً اس وقت ۵۵ سال ہے۔ داڑھی سفید۔ سر منڈھا ہوا قد بلند بدن نحیف ریاضت کے آثار آپ کے چہرہ سے ظاہر خدا تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے۔

ومنہم جناب مولٰنا شیخ استاذی علامہ صاحب تصانیف مشہورہ جناب حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب دہلوی مہاجر مکی رحمہ ربہ ہیں۔ حضرت مولوی صاحب ہندوستان کے مشہور علماء سے تھے ایام غدر دہلی کے زمانہ میں حکومت وقت کے حکم سے ہندوستان سے نکالے گئے تھے۔ آپ نے حرم محترم مکہ مکرمہ کو وطن قرار دیا باقی تمام عمر شریف وہاں بسر فرمائی۔

سنہ ۱۳۱۲ھ میں جب کہ نیاز مند کو حضرت والد ماجد قدس سرہ کی ہمرکابی میں حرمین شریفین کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ تو حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمتہ نے مجھے کتب درسیہ پڑھنے کے لئے حضرت مولوی صاحب موصوف کے شرفِ صحبت سے اکثر ایام بہرہ اندوز ہونیکا ارشاد فرمایا۔ آپ نے مکہ مکرمہ کے شبیکہ کے پیچھے مبارک درسگاہ کی بنیاد ڈالی تھی اور محقق مدرسین اس میں مقرر فرمائے تھے اور قاری حفاظ بھی تنخواہ پر مقرر فرمائے تھے جو علم تجوید وقرأت کی تعلیم دیتے تھے۔ چالیس طالب علموں سے زیادہ افراد روزانہ مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے۔ ویسے مکہ معظمہ کے معزز عرب اور ترک اکابر آپ کی خدمتِ عالی میں جوق درجوق حاضر ہوتے اور نہایت ادب کے ساتھ نیچے بیٹھ کر آپ کی صحبت سے دینی استفادہ حاصل کرتے۔

امتحان کے وقت مدرسہ کے طلبا اور قاری صاحبان اعلیٰ پیمانہ پر مجلس کا اہتمام کرتے۔ عرب اور ہندوستان کے علما جمع ہوتے اور ایک عجیب نمونہ کے ساتھ امتحان کی مجلس اختتام کو پہنچاتے۔ مجلس میں چائے نوشی، قہوہ نوشی وشیرینی وغیرہ کا انتظام حضرت مولوی صاحب اپنی جیب خاص سے فرماتے۔ اور آپ کے حسنِ اہتمام کی وجہ سے مدرسہ کا انتظام اعلیٰ درجہ کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کے مدرسہ کی ترقی کے لئے ہندوستان کے بعض مخیر حضرات خیرات کی صورت میں سال بسال امداد پہنچاتے تھے۔

آپ کی مقررہ مجالس یا مخصوصہ مجالس میں اگرچہ معززین وقت موجود ہوتے تھے مگر بغیر مخاطب کے کسی دوسرے کو گفتگو کی طاقت نہ ہوتی تھی اور مخاطب بھی "سلمنا" کے لفظ سے لب کشائی کرتا دوران گفتگو میں اتفاق سے اگر علمی بحث چھڑ جاتی تو حضرت مولانا صاحب بحرِ ذخار کی طرح دلائل وبراہین کی موجیں مارتے ہوئے نظر آتے۔ اگر عوام سامعین کی استعداد سے تقریر کو بلند محسوس فرماتے تو مقصود کو بالکل آسان اور فصیح لفظوں میں بیان فرما کر ذہن نشین کراتے۔ اس منزلت ورفعت کے ہوتے ہوئے اپنے اوقات نہایت سادہ مزاجی سے بسر فرماتے اور سادہ لباسی اس قدر تھی۔ کہ اگر سر سے پاؤں تک پوری پوشاک کی قیمت

لگائی جاتی تو مشکل سے دو روپے تک پہنچتی، معمولی بافت کی یک تہ ٹوپی سادہ ململ کی قمیص، گھٹنوں تک پاجامہ بالکل تنگ و کوتاہ ہندی وضع کی پرانی جوتی۔ یہ آپ کا لباس تھا سادہ عصا ہاتھ میں لے کر تنہا گھر سے مدرسہ کو تشریف لاتے اور مدرسہ سے گھر تشریف لے جاتے جمعہ کے دن جب حرم محترم میں تشریف لے جاتے تو کم قیمت کی چھوٹی سی پگڑی سر پر باندھتے اکثر اوقات مدرسہ کے زیرین طبقہ میں طالب علموں کے رہگذر پر بغیر فرش کے ایک سادی چارپائی پر بیٹھے رہتے یا لیٹے رہتے ہر ایک طالب علم وہاں سے گزرتا اور دست بوسی کا شرف حاصل کرتا آپ ہر ایک کو تعلیم کی ترغیب دیتے اور دعائے خیر سے یاد فرماتے۔

کبھی کبھی حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہٗ آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے "یا سیدی" کا لفظ آپ کا تکیہ کلام تھا کئی دفعہ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ سے مخاطب ہو کر فرماتے یا سیدی آپ اپنے صاحبزادے (یعنی مراد نیاز مند) کو دوسری خدمات سے فارغ فرما کر مدرسہ کے حوالہ فرما دیں تا کہ دل جمعی کے ساتھ علم حاصل کرے مجھے اس کی طبع بہت پسند ہے امید ہے کہ جلدی مدرسہ کے مروجہ نصاب سے فراغت حاصل کرے گا۔ حضرت قبلہ گاہ فرماتے کہ اہل و عیال کی خدمت کا سارا بار اس پر ہے فراغت کے وقت حاضر ہوتا رہے گا۔ افسوس ایسے وسائل و ذرائع کے ہوتے ہوئے احقر نا قابل رہا۔

ایک دن حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کو حضرت مولانا صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یا سیدی مناسب ہے کہ آپ ہند و سندھ کو واپس تشریف لے جائیں وہاں خدا تعالیٰ کے بندے آپ کے شرف صحبت سے فیضیاب ہونگے اور آپ کے ذریعہ مخلوق خدا تعالیٰ کو ہدایت نصیب ہوگی اگر مجھے اجازت ہوتی تو میں ایک دن بھی یہاں نہ رہتا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ایک پیسے کے چنے اتنے ملتے ہیں کہ انسان کے ایک دن کا قوت ہو سکے اور حجاز میں سخت گرانی ہے آپ کے ساتھ تقریباً چالیس متعلقین ہونگے مبادا معاش کی تنگی باطنی جمعیت میں خلل انداز ہو۔ اور فرمایا کہ یا سیدی مکہ معظمہ کی زمین نجات دہندہ نہیں ہے اگر

زمین نجات بخشنے والی ہوتی تو ابولہب کو نجات دیتی۔ بلکہ نیک عمل کے ذریعہ نجات ملتی ہے
چاہے وہ کہیں بھی ادا کیا جائے۔

جب حضرت مولانا مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ کے انتقال کی خبر وہاں پہنچی
تو ایک دن مجلس میں حضرت قبلہ گاہ مرحوم سے مخاطب ہو کر افسوس کے ساتھ فرمایا کہ یا سیدی
مولوی عبدالحی صاحب مرحوم ذکی الطبع طالب علم تھا ہندوستان میں اس کا وجود بابت
غنیمت تھا۔ اگرچہ "اس میں کچھ تھا" پھر اسی مجلس میں فرمایا کہ علمیت میں ان کے والد مولوی
عبدالحلیم صاحب مرحوم کا پایہ اس سے بلند تھا مگر مطبع والوں نے ان کے والد کی تصنیفات
کو مولوی عبدالحی صاحب کے نام پر چھاپ دیا۔ اس لئے اس کی شہرت والد سے بڑھ گئی ہے۔

حضرت مولوی صاحب پکے مقلد تھے اور تقلید مذہبی کو نہایت ضروری جانتے تھے انہی
دنوں میں نماز عصر کے وقت کے متعلق علماء احناف اور شوافع میں جھگڑا پیدا ہوا۔ رئیس العلماء
حضرت شیخ سید زینی احمد دحلان علیہ الرحمۃ نے شافعی مذہب کی تائید میں ایک رسالہ تحریر
فرمایا اور اس میں یہ بھی ظاہر کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں بھی مفتی بہ
قول یہ ہے کہ ایک مثل سایہ ہونے کے بعد عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اس پر دلائل وشواہد
پیش کئے اور عمدہ ترین دلیل ان کے پاس کتاب درمختار کی وہ عبارت تھی جس میں شیخین (یعنی
امام ابویوسف اور حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا مذہب بیان کر کے لکھا ہے۔
کہ اس پر فتویٰ ہے۔

اس جھگڑے کی بنیاد اس سے پیدا ہوئی۔ کہ عصر کی نماز پہلے امام حنفی المذہب جماعت
کو پڑھاتا تھا اس کے بعد دوسرے مذاہب کے امام جماعت کراتے تھے مکہ شریف میں اکثر
حنفی بھی بعد المثل پہلے عصر کی نماز جماعت سے پڑھتے تھے مگر بعض متقی حنفیوں نے مکہ شریف
والوں کی عادت کے خلاف بعد مثلین حرم شریف کے ایک گوشہ میں تھوڑی جماعت کے ساتھ
عصر پڑھنی شروع کی اور رفتہ رفتہ یہ جماعت بہت بڑھ گئی۔ اس پر شافعیوں نے موقعہ پاکر حکومت

سے درخواست کی کہ حنفی اپنے مذہب کی رو سے بعد از مثلین عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ تو ہمیں اجازت دی جائے کہ حنفیوں سے پہلے ایک مثل کے بعد ہم نماز پڑھیں بعد میں حنفیوں کی جماعت ہو جب حکومت نے یہ بات قبول نہ کی۔ تو علامہ سید زینی احمد دحلان علیہ الرحمۃ نے (جو اس وقت کے رئیس العلماء تھے) مذکورہ رسالہ تصنیف فرمایا کہ احناف کے مذہب میں بھی مفتی بہ قول یہ ہے کہ ایک مثل کے بعد عصر کا وقت داخل ہو جاتا ہے اگرچہ شوافع کا غلبہ تھا مگر حضرت مولانا صاحب مرحوم نے تقلید کے جوش میں رئیس العلماء کے رسالہ کی تردید میں رسالہ عصریہ تصنیف فرما کر اس میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت کیا کہ حنفی مذہب میں مختار و معتبر اور مستند قول یہی ہے کہ مثلین کے بعد عصر کا وقت داخل ہوتا ہے جیسا کہ حنفی مذہب کے معتبر متون اور شروح میں یہ بات مشہور و مختار ہے رسالہ عصریہ کے شائع ہونے کے بعد شوافع حضرات لاجواب ہوئے اور حنفی حنفیوں کی بعد المثلین پڑھنے والی جماعت خاصہ بدستور جاری رہی اور حضرت مولانا صاحب کی حیاتی تک جاری رہتی مگر آہ آپ ان کے انتقال کے بعد ؎

آن قدح بشکست واں ساقی نماند۔

ایک دن آپ کے مدرسہ میں مولانا حضرت نور صاحب مدرس اول سے نیاز مند اپنے ہم سبقوں کے ساتھ مقررہ وقت پر کتاب سراجی کا سبق پڑھ رہا تھا تو اچانک حضرت مولانا صاحب مرحوم اپنی سادہ وضعی کے ساتھ تشریف لائے اور فرمایا کہ علم ترکہ و فرائض کے پڑھنے اور سمجھنے میں کوشش کرو کیونکہ یہ علم سب سے پہلے دنیا سے اٹھ جائے گا۔

۱۳۰۲ھ میں ایک بڑے مشہور پادری نے دارالحکومت قسطنطنیہ میں پہنچ کر حکومت سے مذہبی مباحثہ کرنے کی درخواست کی اور پادری کو امید تھی کہ علماء ترک و علماء عرب فلسفی علوم میں مہارت نہیں رکھتے اس لئے اسے غلبہ حاصل ہوگا۔ بادشاہ کے وزیروں نے مشورہ کر کے بادشاہ کو عرض کی کہ مولوی رحمت اللہ صاحب ہندی مہاجر کے بغیر یہ مہم سر نہ ہوگی بہتر ہے کہ پادری کو یہاں ٹھہرایا جائے اور مولوی صاحب کو مکہ شریف سے بلایا جائے۔ سلطان

عبدالحمید خان کو یہ مشورہ پسند آیا اور حاکمِ مکہ کو لکھا کہ مولوی رحمۃ اللہ صاحب کو اعزاز کے ساتھ استنبول پہنچایا جائے. جب شاہی فرمان حاکمِ مکہ کو پہنچا تو فوراً مولوی صاحب کی روانگی کے لئے جہاز وغیرہ کے سفر کا انتظام کیا گیا مولٰنا صاحب نے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے دو رفیق انتخاب فرمائے ایک صدر مدرس مولانا حضرت نور صاحب جو نیاز مند کے استاد تھے دوسرے اپنے برادر زادہ مولوی بدرالاسلام صاحب کو ساتھ لیا. جب تار کے ذریعے یہ خبر استنبول میں پہنچی کہ مولوی صاحب مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں اور ایک دو دن کے اندر استنبول پہنچ جائیں گے. جب پادری کو مولوی صاحب موصوف کے آنے کی خبر ملی تو راتوں رات کسی جہاز کے ذریعے بھاگ نکلا اس لئے کہ مولوی صاحب کا پادری مذکور سے پہلے دہلی میں مناظرہ ہو چکا تھا اور پادری مذکور نے سخت شکست کھائی تھی. اور اسی پادری کی تردید میں مولوی صاحب مرحوم نے کتاب "اظہار الحق" بھی شائع فرمائی تھی۔

حضرت مولوی صاحب کو استنبول پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ پادری مذکور بھاگ گیا ہے. اور میدان خالی ہے. آخر کار مولوی صاحب نہایت عزت و اکرام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت میں بیس دن تک استنبول میں رہے اور دو تین دفعہ سلطان عبدالحمید خان سے ملاقات ہوئی. سلطان موصوف آپ کی نہایت تعظیم و تکریم فرمائی. اور آپ سے استدعا کی کہ استنبول میں اقامت فرمائیں اور شاہی کتب خانہ کا اہتمام فرما دیں. مگر مولوی صاحب نے قبول نہ فرمایا. اور مجبوراً اپنے بھتیجے مولوی بدرالاسلام صاحب کو اس خدمت پر مقرر فرما کر خود مکہ معظمہ واپس تشریف لائے شاہی تحائف و ہدایا جو آپ نے ساتھ لائے تھے مکہ شریف پہنچتے ہی ان کو فروخت کے لئے بازار بھیج دیا اور جو قیمت وصول ہوئی سب اپنے مدرسہ کے خرچ میں دے دی. آپ کا حلیہ مبارک یہ تھا. قد چھوٹا بدن ضعیف داڑھی مبارک سفید اور گھنی تھی سر تراشا ہوا تھا. آنکھیں بڑی تھیں مگر آخر عمر میں آنکھوں کی بینائی جاتی رہی پھر بھی مدرسہ کی خدمت اور اہتمام فرماتے رہے افسوس کہ ۱۳۰۸ھ میں لاولد فوت ہوئے. انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۵۔ حضرت مولوی عبدالحق صاحب مہاجر ہندی

ومنہم جناب حضرت مولوی عبدالحق صاحب ہندی مہاجر مکی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ فرید عصر یگانہ وقت عابد زاہد متقی تھے اصل میں آپ ہندوستان کے رہنے والے تھے تقریباً پینتالیس سال سے ترک وطن کر کے اشرف البلاد مکہ معظمہ کے امہانی دروازہ جس کو باب الوداع کہتے ہیں، کے قریب جبل ابوقبیس کے پہلو میں سکونت پذیر ہوئے مخلوقات سے قطع تعلق ہو کر گوشہ نشینی اختیار فرمائی۔ ابتداء میں بعض مخصوص طالب علموں کو کتب فقہ اخلاق وحدیث کا درس دیتے تھے آخر عمر میں ضعف کی وجہ سے تدریس نہ کر سکتے تھے۔ ورد و وظائف کے پڑھنے میں ہمیشہ مشغول رہتے جتنی مدت مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا بالکل شادی نہ کی اور تجرید میں زندگی بسر کی۔ سلوک باطنی طریقہ نقشبندی قدس اللہ تعالیٰ اسرار اہلہا میں طے فرمایا تھا اور عمر عزیز کی قدر اچھی طرح فرماتے ایک گھڑی بھی بے فائدہ ضائع نہ فرماتے اگر کوئی حاجتمند علمی استفادہ یا فیض باطنی حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتا تو بقدر ضرورت توجہ فرماتے پھر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے۔

حافظ حاجی عبداللہ سندھی المکی آپ کے ارشد تلامذہ سے تھے ۱۳۲۰ھ میں جب نیاز مند کو دوسری دفعہ حرمین شریفین کی آستان بوسی کا موقع ملا۔ تو اسی حافظ عبداللہ صاحب کی وساطت سے حضرت مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور بہت محظوظ و ممنون فرمایا۔ نہایت الطاف و عنایات مبذول فرمائے اور میری ملاقات سے کمال خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہ سب آپ کا حسن خلق تھا ورنہ میں اپنے کو خود جانتا ہوں۔

اسی سفر میں شیخ محمد مراد منزلوی المکی خلیفہ حضرت شیخ محمد مظہر مجددی الفاروقی المدنی ابن حضرت شیخ احمد سعید قدس سرہ سے ملاقات ہوئی اور شیخ محمد مراد مذکور نے اس وقت مکتوبات امام ربانی قدس سرہ کو عربی زبان میں لکھ کر طبع کرایا تھا اور عربی مکتوبات دستیاب کرنے کی غرض سے ہی ان سے ملاقات ہوئی اور دوران ملاقات میں میں نے ان سے پوچھا کہ کسی نیک اور بزرگ ہستی کا پتہ بتائیے تاکہ اس کی زیارت کا شرف حاصل کروں تو انہوں

نے حضرت مولوی عبدالحق صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "ان کان احد فھو ذاک الھندی ولا اعلم غیرہ" یعنی اگر کوئی ہے تو یہی ہندی ہے دوسرا مجھے علم نہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ اس ملک میں اس جیسا دوسرا کسی کو نہیں جانتا ہوں۔

آخر عمر میں حضرت مولوی صاحب مرحوم شیخ الدلائل سے مشہور رہے تھے کتاب دلائل الخیرات پڑھنے کی اجازت وظیفہ کے طور پر عطا فرماتے تھے اور ہزاروں لوگ دلائل الخیرات کی سند آپ سے حاصل کرتے اور آپ طریقت کا ارشاد نقشبندی طریقہ پر فرماتے مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کس بزرگ سے مجاز تھے آخری عمر میں گو ضعیفی اس قدر غالب تھی کہ جمعہ کی نماز کے بغیر حرم شریف میں بھی کم آتے تھے اور جمعہ کے دن باب الوداع سے متصل حرم شریف کے ایک گوشہ میں نماز جمعہ اس طریق پر ادا فرماتے کہ کسی کو ملاقات و گفتگو کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ جب آپ کی عمر سو سال کے قریب پہنچ چکی تو ۱۳۲۳ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ ربہ۔ بتھوڑی ملاقات کے باعث آپ کا حلیہ ذہن میں موجود نہیں۔

ومنھم جناب شیخ مولٰنا حبیب الرحمٰن صاحب مجذوب ہندی مہاجر حجازی ہیں۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ حضرت موصوف اصل میں ہندوستان کے رہنے والے تھے۔ واقعہ غدر دہلی کے بعد آپ نے ہجرت فرمائی اور مجرد رہنا پسند کیا۔ جلالیت کا آپ پر غلبہ تھا۔ اوائل میں حرم محترم مدینہ طیبہ علی صاحبہا افضل الصلوٰت واکمل التسلیمات والتحیات نہایت تدقیق و تحقیق کے ساتھ تدریس فرماتے تھے اور بے شمار لوگ آپ سے مستفید ہوئے حضرت میاں ابوالخیر صاحب دہلوی مجددی سلمہ ربہ نے بھی ان سے علمی استفادہ حاصل فرمایا ہے۔ آخر عمر میں آپ کا مزاج تدریس کی تکلیف کو برداشت نہ کر سکا۔

جب ۱۳۳۰ھ میں نیازمند کی آپ سے ملاقات ہوئی تو ان دنوں میں آپ کبھی مکہ معظمہ میں قیام فرماتے اور کبھی تنہا با پیادہ مدینہ منورہ پہنچ کر منزل انداز ہوتے گویا حضرت مخدوم جلی

علیہ الرحمۃ کے مشہور مصرع ؎ گہ بمکہ منزل وگہ در مدینہ جاکنم۔
کی عملی تصویر و تفسیر تھے۔ عرب کے صحرا نشین لوگ جن کو بدوی کہا جاتا ہے آپ کے پکے معتقد تھے۔ جس گاؤں اور آبادی سے گزر فرماتے بدوی لوگ نہایت عزت کے ساتھ آپ کی ضیافت کرتے آپ کبھی اس سے کچھ کھاتے اور کبھی اس کو چھوڑ کر چلے جاتے۔ جب مدینہ طیبہ پہنچتے۔ تو اکثر باب الرحمۃ اور باب مجیدی کے درمیان مغربی رواق میں بیٹھے رہتے۔ خاموشی کا آپ پر غلبہ تھا۔ اگر کوئی آشنا آپ کے پاس جاتا تو بقدر ضرورت گفتگو فرماتے۔ مدینہ منورہ میں بھی چند روز رہ کر پھر غائب ہو جاتے۔ اسی طرح قریباً چالیس سال حرمین شریفین کے درمیان زندگی بسر فرمائی۔ اتنی مدت میں بالکل نہ تو شادی کی اور نہ اپنے لئے رہنے کی کوئی جگہ مقرر کی اگر معتقدین کے ذریعے مالی فتوحات ہوتیں اور نذرانہ وغیرہ ملتا تو محتاجوں پر خرچ کر دیتے۔ لباس وغیرہ وضع قطع میں بالکل تکلف نہ فرماتے۔ مگر آپ کی ہیبت اور رعب اس قدر غالب تھا۔ کہ آپ کے حضور میں کسی کو بات چیت کرنے کی جرأت نہ ہو سکتی تھی۔ الغرض دنیاوی تعلقات سے بالکل بری اور آزاد تھے۔ لوگ آپ کی بہت سی کرامات بیان کرتے تھے مگر چونکہ مجھے اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں ہے اس لئے ان کی تفصیل میں پڑنا مناسب نہیں ہے۔

آپ کا حلیہ شریف:۔ رنگ گندم گون تھا۔ قد بلند داڑھی سفید اور چھوٹی تھی۔ بدن معتدل تھا۔ آپ کی تاریخ وفات اور مقبرہ کا مقام معلوم نہیں۔ رحمہ ربہ وافاض علینامن برکاتہ۔

۵۔ مولانا شیخ مولوی عبدالرحمٰن صاحب

ومنہم جناب مولانا شیخ مولوی عبدالرحمٰن صاحب سندھی سکھری ہیں رحمہ ربہ ان کے ذکر شریف اور نام نامی پر بے اختیار قلم سے یہ جملے نکلے کہ آپ عالم عامل، ولی کامل، حامل لواء شریعت واصل اعلیٰ مراتب طریقت وحقیقت تھے حضرت مولوی صاحب شہر سکھر سندھ کے باشندے ہیں۔ آپ نے علم باطنی اور طریقت کے منازل نیاز مند کے جد امجد قیوم وقت جناب حضرت شاہ عبدالقیوم صاحب قدس سرہ اور ان کے عم محترم جناب حضرت میاں ضیاء الحق صاحب قدس سرہ کے زیر ارشاد طے فرمائے تھے۔ آپ نے اپنی عمر کو عزیز جان کو کمال

ضائع نہ کیا ہمیشہ خلق خدا تعالیٰ کی خدمت ادا فرماتے۔ طالب علموں کو درس پڑھاتے محتاج اور مسافروں کی زر و نقد وغیرہ اخراجات دے کر امداد فرماتے اگر کوئی فیض باطنی حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتا تو کسی ولی کامل کی خدمت میں بھیج دیتے آپ کا وجود مبارک محتاجوں اور مسافروں کے لئے جائے پناہ تھا ہمیشہ آپ کی مسجد شریف میں بخاری افغان، ہندوستانی اور عرب مسافر و محتاج بکثرت رہتے آپ بہ نفس نفیس ان کی خوراک و پوشاک کا انتظام فرماتے چونکہ خود مسکین تھے اس لئے مسافروں اور محتاجوں کو اپنے ساتھ لے کر گلی کوچوں میں لوگوں کے دروازوں پر کھڑے ہو کر ان کے لئے خیرات جمع فرماتے جو کچھ ان کی قسمت میں جمع ہو جاتا ان کے حوالے کر کے نہایت خوشی کے ساتھ ان کو روانہ کرتے پھر دوسرے دن دوسرے مسافروں کے لئے ایسا ہی انتظام کرتے بعض اوقات اگر مسافروں کو آپ کے گھر کی روٹی کفایت نہ کر سکتی تو خود لوگوں کے دروازوں پر حاضر ہو کر مسافروں کے لئے روٹی جمع کرتے اور اس قدر حسن اخلاق اور خندہ پیشانی سے محتاجوں اور مسافروں کی خدمت کرتے جو وہ سمجھتے کہ یہ خاص مہربانی ہمارے ہی ساتھ کی ہے آپ تکلفات سے بالکل بیزار اور سادگی پسند تھے۔ جیسا بھی سادہ کھانا پاتے کھا لیتے اور جیسا بھی سادہ کپڑا مل جاتا پہن لیتے۔

غیر مسلموں سے جو کوئی اسلام قبول کرنے کی غرض سے مولوی صاحب کی مسجد میں حاضر ہوتا تو مولوی صاحب اسے اسلام کی تلقین و تعلیم فرما کر خوشی سے اس کی تمام خدمات کا ذمہ اپنے اوپر لیتے۔ اگر ہندوؤں کی طرف سے مقدمہ بازی ہوتی تو مولوی صاحب نہایت خوشی سے حکام وقت اور مقدمہ کی تکلیفات برداشت کرتے اور پوری ہمت سے کامیابی حاصل فرماتے اور نو مسلموں کو ہندوؤں کی ایذا رسانی و شرارت سے نجات دلا کر انہیں رخصت فرماتے بہت سے لوگ آپ کی برکت اور ہمت سے اسلام میں داخل ہو کر آسودہ حالی کو پہنچے۔ مشہور شیخ شرف الدین و شیخ عبدالرحیم مرتسری و شیخ عبدالرزاق و شیخ محمد صالح وغیرہ بہت سے نو مسلم آپ ہی کے دست پروردہ ہیں اور آپ ہی کی صحبت کی برکت سے شرک سے رہائی

پائی اور آپ ہی کی ہمت اور برکت سے تکلیفاتِ زمانہ سے آزاد ہو کر نہایت آسودہ حالی کو پہنچے ہیں۔

آپ جب میرے والد ماجد قبلہ گاہ علیہ الرحمتہ کے شکارپور سندھ میں تشریف لانے کی خبر سنتے تو فوراً حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے اور بڑی اچھی صحبت رہتی۔ حضرت قبلہ گاہ قدس سرہ کو بھی آپ سے بڑی محبت تھی اور پس غائبانہ آپ کی بہت توصیف و تعریف بیان فرماتے

الغرض حضرت مولوی صاحب اپنے وقت میں اس حدیث شریف کے پورے مصداق تھے خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ۔ بہترین انسان وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔

ایک دن نیاز مند کاتب الحروف شکارپور سے ریل گاڑی میں سوار ہوا۔ تو ناگاہ حضرت مولوی عبدالرحمٰن صاحب بھی آ کر سوار ہوئے ملاقات اور خیریت پرسی کے بعد اسی وقت کسی مخلص نے انگوروں کا ٹوکرہ حاضر کیا۔ میں نے وہ ٹوکرا مولوی صاحب کے سامنے رکھا اور عرض کیا کہ اس سے کچھ تناول فرماویں۔ مولوی صاحب نے فراغت سے خاطر خواہ طور پر اس قدر تناول فرمایا۔ کہ مجھے آپ کا بے تکلف کھانا بہت پسند آیا۔ کھانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ آج پیٹ بھر کر انگور کھائے ہیں۔ میں نے مذاقاً کہا کہ آپ نے اس طرح کبھی انگور نہیں کھائے تو آپ نے فرمایا۔ ایسی فراغت سے کھانا کہاں نصیب ہوتا ہے۔ تو بچے، پوتے اور نواسے میرے ہاتھوں سے چھین لے جاتے ہیں اور میں کھا نہیں سکتا۔

نقل ہے کہ ایک دن کوئی پولیس والا دعا طلبی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے نصیحت فرمائی کہ مخلوق خدا تعالیٰ پر ظلم نہ کرنا اسی موقع پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ کسی شخص کو بچھو کی ضرورت ہوئی جتنی کوشش کی بچھو نہ مل سکا کسی خدا پرست بزرگ کو یہ حقیقت معلوم ہوئی تو اسے کہلا بھیجا کہ اگر تجھے بچھوؤں کی ضرورت ہے تو کسی پولیس والے کی قبر کو کھود اس میں بہت بچھو ملیں گے۔ آخر اس بزرگ کے کہنے پر اس شخص نے ایک پولیس والے کی قبر کھولی جو قریبی وقت میں دفن کیا گیا تھا۔ دیکھا تو بے شمار بچھو اس کے بدن کو چمٹے ہوئے ہیں جس قدر اس کو ضرورت تھی وہاں سے لے لئے اور قبر کو پھر برابر کر دیا۔

حضرت مولوی صاحب کی اولاد، اور پوتے و نواسے و متعلقین وغیرہ بہت ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالکریم صاحب علمی اور عملی لیاقت سے متصف و ممتاز ہیں۔ آپ کے بھتیجے زادہ مولوی عطاء اللہ صاحب نہایت پرہیزگار اور متقی ہیں۔ اَنۡبَتَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نَبَاتًا حَسَنًا ط۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ میانہ قد، رنگ گندم گون، کشادہ پیشانی، داڑھی مبارک گھنی اور لمبی تھی۔ جس نے سارے سینہ کو بھر لیا تھا۔ مہندی کا خضاب لگاتے تھے۔ بہت عمر پائی تھی۔ ـــــھ میں انتقال فرما کر مخلوق کو حضرت خلاق عالم جل شانہ کے حوالہ فرمایا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ ط۔

ومنھم جناب حضرت مخدوم مجذوب محمد صاحب علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ بڑے جید علماء اور زاہد اصلحاء میں سے تھے۔ آپ کو مجذوبی کے آثار بچپن سے لاحق تھے۔ آخر عمر میں زیادہ غلبہ پا گئے تھے آپ کی سکونت سندھ کے مشہور شہر سیہون میں تھی چونکہ آپ حضرت شیخ مخدوم عثمان علیہ الرحمۃ جو لعل شہباز قلندر کے نام سے مشہور ہیں، کے پڑوس میں رہتے تھے اس لئے اپنے آپ کو قلندری کہتے تھے۔

نیازمند کی ملاقات آپ سے ۱۳۱۰ھ سے لے کر ۱۳۱۶ھ تک کئی بار ہوئی۔ آپ بڑے صاحب سوز و گداز تھے۔ بعض اوقات مستی و محویت کی حالت میں آپ سے کرامات اور خوارق عادات کا ظہور ہوتا تھا۔ وہاں کے لوگ آپ کے بہت معتقد تھے۔

۱۳۱۳ھ میں جب کہ نیازمند کاتب الحروف کے والد ماجد قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کا قیام بہت مدت تک شکارپور سندھ میں رہا جس کی تفصیل طوالت طلب ہے اور یہ نیازمند بھی حضرت والد ماجد قدس سرہ کی خدمت میں تھا تو ان دنوں میں سید میاں غلام شاہ مرحوم سکنہ ٹنڈہ محمد خان اور حافظ محمد حریری و قاضی محمد یعقوب سکنہ ٹنڈہ سائیں داد حضرت والد صاحب قدس سرہ کی قدم بوسی کے لئے ٹنڈہ محمد خان سے روانہ ہو کر شکارپور آنے لگے۔ راستہ میں حضرت لعل شہباز قلندر

مخدوم مجذوب محمد صاحب سیہون

قدس سرہ کے مزار کی آستان بوسی کے لیئے سیون میں منزل کر کے مزار شریف کی زیارت کے بعد حضرت مخدوم محمد صاحب کی زیارت کا شوق دامنگیر ہوا۔ تو آپ کے مکان کا پتہ پوچھتے ہوئے آپ کی مسجد میں پہنچے۔ معلوم ہوا کہ مخدوم صاحب دریا کی طرف گئے ہوئے ہیں کیونکہ آپ کی عادت تھی روزانہ دریا میں جا کر غسل فرماتے۔ کچھ وقت پانی میں بیٹھتے یا دریا میں تیرتے پھر واپس تشریف لاتے۔ سید غلام شاہ مرحوم نے بیان کیا۔ کہ ہم آپ کے انتظار میں مسجد میں بیٹھے رہے ایک ساعت کے بعد دیکھا تو مخدوم صاحب تشریف لائے۔ سر اور پاؤں ننگے ہیں۔ فقط ایک قمیص پہنی ہوئی تھی۔ جس سے ستر عورت کیا ہوا تھا۔ ایک کالی چادر جو لنگ باندھنے کے لئے لے گئے تھے وہ کندھے پر رکھی ہوئی تھی۔ مسجد میں جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں وہاں کھڑے ہو کر کہنے لگے" جس طرف رخ کرتا ہوں ادھر تو ہی ہے۔ اللہ اکبر کہتے ہی نماز میں شروع ہو گئے ایک رکعت پوری کر کے سلام پھیرا۔ اس کے بعد مسجد شریف کے اندر داخل ہوئے۔ ہم نے دست بوسی کی اور آپ نے خیریت پرسی کی اور ہر ایک کا نام و نشان دریافت کیا اور سفر کا سبب دریافت کیا۔ ہم نے کہا۔ کہ حضرت صاحب کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت صاحب کہاں ہیں۔ ہم نے کہا شکارپور میں ہیں آپ نے فرمایا۔ ھائے ھائے۔ یہ لفظ آپ کا تکیہ کلام تھا گفتگو میں اکثر ھائے ھائے کہتے پھرتے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ حضرت صاحب کو میری طرف سے سلام پہنچا کر یہ شعر کہنا ؎

سرو در باغ بیکپائے ستاد است مگر | برکاب تو دو گر بود ش پائے دگر

پھر فرمایا تم جانتے ہو دوسرا پاؤں کیا ہے ہم نے کہا نہیں جانتے۔ آپ نے فرمایا وہ پاؤں پیسہ یا زر ہے اگر میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا پھر فرمایا۔ کہ میری طرف سے تحفہ پہنچانا۔ ہم نے کہا دیجئے پہنچا دیں گے گھر تشریف لے گئے اور دو مسواک لائے اور فرمایا کہ یہ میرا تحفہ حضور میں پیش کرنا جب یہ تینوں صاحبان شکارپور پہنچے اور حضرت والد قدس سرہ کی خدمت میں تحفہ پیش کر کے۔ سلام و بیت عرض کیا تو حضرت والد صاحب

قبلہ علیہ الرحمۃ بہت خوش ہوئے اور حضرت مخدوم صاحب کی بڑی توصیف بیان فرمائی۔

نقل ہے کہ ایک دن سیون میں حضرت مخدوم صاحب اپنی عادت کے مطابق دریا پر غسل کرنے کے لئے گئے اور جذب کی حالت میں اپنے کو دریا کے حوالے کر دیا۔ اور کوٹری بندر سے جا کر باہر نکلے جو سیون سے چالیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اتفاقاً بار بردار اونٹوں کی قطار وہاں سے گزر رہی تھی تو مخدوم صاحب اپنی مجذوبی حالت میں بالکل برہنہ دریا سے نکلتے نکلتے ہی اونٹوں کی قطار کے پیچھے دوڑتے ہوئے کہتے جاتے تھے۔ وَاِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ" یعنی اونٹ کی طرف عبرت سے دیکھو کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے آپ کو پہچانا اور کپڑے اوڑھا کر اپنے پاس لے گئے اور پھر آپ کو سیون پہنچا دیا۔

ایک دن نیاز مند کاتب الحروف سید غلام شاہ مذکور اور دوسرے چند رفقاء کے ساتھ میاں خیرالدین سیوانی کی دعوت پر سیون پہنچے اور میاں خیرالدین کے گھر میں قیام کیا۔ سید غلام شاہ مذکور کسی کام کے لئے بازار گئے اور واپسی پر حضرت مخدوم صاحب سے ملاقات ہوئی جو دریا سے غسل کرکے تشریف لا رہے تھے خیریت پرسی کے بعد مخدوم صاحب نے دریافت فرمایا کہ کس غرض سے یہاں آنا ہوا تو سید صاحب نے میرا نام لے کر کہا کہ ان کی ہمرکابی میں آیا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ فلاں صاحب سیون آئے ہیں۔ اس نے کہا ہاں تشریف لائے ہیں تو آپ نے فرمایا جائیے جائیے اب میرے ساتھ چل۔ اور میرا تحفہ ان کو پہنچا۔ سید مذکور کو گھر کی طرف لے گئے اور آپ گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ سید صاحب کو دروازہ پر ٹھہرایا شاہ صاحب نے بیان کیا کہ میں نے باہر سے سنا کہ آپ نے اہلِ خانہ کو السلام علیکم کہہ کر فرمایا کہ فلاں حضرت تشریف لائے ہیں۔ میری مسواکوں سے دو مسواک مجھے دیدو تاکہ انہیں بھیجدوں۔ پھر آپ نے دو مسواکیں لا کر شاہ صاحب کو دیں نیز فرمایا کہ میں خود بھی چلتا ہوں دیکھا تو شاہ صاحب حضرت مخدوم صاحب کے ساتھ وارد ہوئے ہم سب آپ کے احترام میں کھڑے ہوئے اور مصافحہ کے بعد میں نے مخلصوں کو کسی خاص فرش بچھانے کے لئے کہا۔

اور آپ سے عرض کیا کہ اس پر تشریف رکھئے۔ آپ نے قبول نہ فرمایا۔ اور عام فرش پر سامنے بیٹھ گئے۔ چونکہ خیر الدین مذکور مرض فالج میں مبتلا تھا لہٰذا میں نے مخدوم سے عرض کیا۔ کہ خیر الدین کے لئے کوئی نسخہ تجویز فرما دیں آپ نے قلم و دوات مانگی اور نسخہ نہایت عمدہ تحریر فرمایا میں نے مریض کو کہا کہ اس نسخہ کو تبرک کے طور پر استعمال کر امید ہے کہ شفا ہوگی۔ آپ ایک ساعت بیٹھ کر واپس تشریف لے گئے۔

۱۳۱۵ھ میں جب حضرت والد ماجد قدس سرہٗ کا انتقال ہوا تو حضرت مخدوم صاحب چہلم کے موقعہ پر فاتحہ خوانی کی غرض سے قصبہ ٹنگو ضلع حیدرآباد سندھ میں ہمارے ہاں تشریف لائے کیونکہ حضرت قبلہ مرحوم کی سکونت اسی قصبہ میں تھی۔ آپ نے چار دن رات تک ہمارے ہاں قیام فرمایا۔ اس دفعہ کی ملاقات میں عجیب و غریب قصے بیان فرمائے ایک جو مجھے یاد ہے۔ درج ذیل ہے:۔

آپ نے فرمایا۔ ایک دن حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دل پر غالب ہوا۔ گھر سے نکلا۔ سفر خرچ کے لئے میری جیب میں فقط دو پیسے تھے۔ آخر منزل بمنزل کراچی پہنچا۔ اس جگہ مالی فتوحات حاصل ہوئیں۔ جہاز کا خرچ میسر ہوا۔ بمبئی روانہ ہوا۔ بمبئی میں پھر فتوحات حاصل ہوئیں۔ جہاز کا خرچ میسر ہوا۔ جدہ روانہ ہوا۔ دریائی سفر کے دوران میں سخت ہیبتناک طوفان آیا۔ لوگ گریہ وزاری میں مشغول ہوئے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس کے بعد بعض کشتی والے میرے پاس دعا طلبی کے لئے حاضر ہوئے میں نے حزب البحر پڑھا طوفان سے آرام نصیب ہوا۔ الغرض مکہ معظمہ پہنچا وہاں جذب و ولولہ اور نعرہائے شوق مجھ سے بے اختیار بکثرت سرزد ہونے لگے۔ ارکان حج کی ادائی کے بعد مدینہ مطہرہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب حرم محترم فخر عالم رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچا تو دل میں سوچا کہ اس جگہ جس طرح ہو سکے اپنے آپ کو منضبط میں رکھوں، کیونکہ یہ ادب کی جگہ ہے اور اس شعر کا آخری مصرع پڑھا ؎

ہر چہ باشی باش اما اند کے بیدار باش ۔ با خدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہشیار باش

آخر زیارت شریف حاصل کرنے کے بعد پھر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا اور حرم محترم کی زادہا اللہ تعالٰے شرفاً و تعظیماً میں پھر جذب کا غلبہ ہوا۔ اور اختیار سے باہر ہو گیا۔ جو کچھ کہا کہا اور جو کچھ کیا کیا پھر وطن کو واپس ہوا۔

جن دنوں حضرت مخدوم صاحب حضرت والد ماجد قدس سرہ کی جہلم کے موقع پر نیاز مند کے ہاں تشریف رکھتے تھے تو ان دنوں میں نیاز مند روزانہ ظہر کے بعد حضرت الد مرحوم کے مزار شریف کی زیارت کے لئے جاتا تھا۔ جو قصبہ تنکھڑ سے دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے ایک دن مزار شریف کی زیارت سے مشرف ہوا۔ دیکھا تو ایک سبز چادر قبر پوش کے طور پر کسی نے مرقد مبارک پر چڑھائی ہے۔ وہاں کے لوگوں سے میں نے پوچھا کہ یہ قبر پوش کس نے چڑھایا ہے لوگوں نے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب تشریف لائے تھے قبر شریف کے مقابل ہو کر بہت گفتگو فرماتے رہے جیسا کوئی زندوں سے گفتگو کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ چادر ڈال کر چلے گئے۔ جب نیاز مند گھر واپس آیا اور مخدوم صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے کہا کہ آپ نے حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کے مرقد مبارک پر قبر پوش چڑھایا ہے۔ حالانکہ اہل علم اس میں اختلاف رکھتے ہیں اور منع کرتے ہیں اگرچہ اہلِ سندھ اور اہلِ ہند کا عمل اس پر ہے کہ اولیاء کرام قدس اسرارہم کے مزارات پر قیمتی قبر پوش چڑھاتے ہیں۔ تو آپ نے جواب میں یہ حدیث بیان فرمائی "ما راٰہ المسلمون حسناً فھو عند اللہ حسن" جس چیز کو نیکو کار مسلمان اچھا جانتے ہیں۔ وہ خدا تعالٰے کے ہاں بھی اچھی ہے۔

حضرت مخدوم صاحب کی حکایات تفصیل کے ساتھ لکھی جائیں تو بہت طوالت ہو جائے گی اس لئے اختصار کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سکھری جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے آپ کے تلامذہ میں سے تھے جب ان کی آپس میں ملاقات ہوتی تو حضرت مولوی صاحب استاذی کی وجہ سے آپ کی بڑی تعظیم اور تکریم فرماتے کسی منزل پر

اکٹھے رہنے کا اتفاق ہوتا تو مولٰنا صاحب ادب سے چارپائی پر نہ سوتے۔ زمین پر بستر بچھا کر آرام فرماتے۔

حضرت مخدوم صاحب محاورہ گفتگو میں پروردگار جل شانہ کے نام کی تعبیر رب کے لفظ سے ظاہر فرماتے۔ ادب کے لحاظ سے ذاتی نام ہرگز نہ لیتے۔ اگر کوئی شخص عام گفتگو میں پروردگار جل شانہ کا ذاتی نام زبان پر لاتا تو اس سے ناراض ہو کر کہتے کہ جب عورت اپنے خاوند کا نام نہیں لیتی اور بیٹا باپ کا نام اور شاگرد استاد کا نام نہیں لیتا تو تم کیوں اپنے پروردگار کا نام لیتے ہو۔ سچ ہے۔ مَنْ خَدَمَ خُدِمَ وَمَنْ اَدَبَ اُدِبَ جس نے خدمت کی وہ مخدومی کو پہنچا اور جس نے بڑوں کا ادب کیا لوگوں نے اس کا ادب کیا۔

حضرت مخدوم صاحب کی عمر طویل تھی تقریباً ۹۰ سال سے زیادہ کو پہنچی تھی۔ ۱۳۱۶ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ ربہ۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ تھا۔ قد بلند، پیٹھ خمدار، داڑھی مبارک لمبی اور بکھری ہوئی تھی۔ داڑھی اور سر پر حنا لگاتے۔ ناک بلند۔ آخری عمر میں منہ دانتوں کی تکلیف سے صاف ہو چکا تھا۔ دانت نہ ہونے کے باعث آپ کی گفتگو کم سمجھنے میں آتی تھی۔ آپ اکثر برہنہ سر رہتے۔ ایک سیاہ نیلی چادر کندھوں پر ہوتی۔ اور ایک چادر تہ بند کے طور پر استعمال فرماتے۔

۹۔ ملا عزت اللہ صاحب

۹ ومنہم جناب حضرت ملا عزت اللہ صاحب افغان رحمہ ربہ ہیں آپ علاقہ ننگرہار توابع جلال آباد افغانستان کے باشندے تھے ۱۳۰۳ھ میں حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ کی رفاقت میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے پہنچے اس سے دو سال پہلے حضرت والد مرحوم عیال و اطفال کو حرمین شریفین لے گئے تھے اور حرم مکہ مکرمہ کے پڑوس میں سکونت پذیر تھے۔ ایک سال رہ کر میرے چھوٹے بھائی صاحبزادہ محمد حسین جان صاحب اور میرے پھوپھی زادہ بھائی حضرت عبد القدوس صاحب وغیرہ دو تین خادموں کے ساتھ سندھ تشریف لے گئے تھے اور مجھے مکہ معظمہ زاد اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً میں عیال و اطفال کی خدمت کے لئے چھوڑ گئے تھے

اور ایک سال کے بعد یعنی ۱۳۰۳ھ میں واپس حرمین شریفین تشریف لائے اور حضرت ملا عزت اللہ صاحب کو اپنی رفاقت میں لائے تھے۔ حضرت ملا عزت اللہ صاحب مسکین و دنیاوی تعلقات سے آزاد اور متوکل شخص تھے۔ آپ کی خوراک وغیرہ کی خدمت حضرت والد صاحب قدس سرہ فرماتے تھے۔ مکہ شریف میں پہنچنے کے بعد جب گرمی کا موسم آیا تو حضرت والد صاحب مرحوم عیال و اطفال کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے اور ملا عزت اللہ صاحب کو بھی ساتھ لیتے گئے۔ اڑھائی مہینے وہاں قیام فرمایا۔ حضرت ملا عزت اللہ صاحب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد شریف میں سکونت پذیر ہوئے۔ رات دن عبادت میں مشغول رہتے ایک گھڑی بھی آرام نہ فرماتے آپ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے پیرانہ سالی اور طبعی ضعف کے ہوتے ہوئے اس قدر عبادات کی سخت تکالیف اٹھانا بغیر الطاف ربانی جل شانہ کے انسانی طاقت سے باہر ہے۔ ہر وقت گریہ میں رہتے خصوصاً نمازمیں اس قدر روتے کہ لوگ آپ کے سوز و گداز اور آنسوؤں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے تھے۔ جس وقت بھی آپ سے ملاقات ہوتی آپ کی آنکھیں گریہ سے تر نظر آتیں کبھی بھی آپ کی آنکھ خشک نظر نہ آئی۔ بھوک و فقر و فاقہ اور مسکینی پر اس قدر صابر و شاکر تھے جو حد تحریر سے باہر ہے۔ افطار کے وقت جب آپ کے پاس ہم کھانا لے جاتے تو ہماری خاطر مختصر چند لقمے کھاتے باقی سب واپس کر دیتے۔

حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے آپ کی حکایت بیان فرمائی۔ کہ جب کراچی سے کشتی کے ذریعہ بمبئی کو جانے کی تیاری ہوئی تو اس وقت حسب معمول سرکاری حکم ملا کہ کراچی اور بمبئی کے درمیان چلنے والی کشتیوں میں تیس سے زیادہ آدمی سوار نہ کیے جائیں۔ جب ہماری سواری والی کشتی میں ملاح نے تیس آدمی پورے شمار کر کے سوار کئے تو بعد میں حضرت حضرت ملا عزت اللہ صاحب پہنچے ہم نے ملاح کو کہا کہ یہ ایک نیک اور صالح شخص ہے اس کو بھی کشتی میں بٹھا لے۔ ملاح نے کہا کہ مجھے کوئی انکار نہیں مگر افسر وقت نے تیس آدمیوں کے

نام لکھ کر دئے ہیں اور روانگی کے وقت وہ خود آ کر نام پکار کر گنتا ہے ہم نے کہا تو اس کو بٹھا لے خدا تعالیٰ رحیم ہے اس کے لئے کوئی سبب پیدا فرمائے گا۔ ملاح بیچارے نے اسے کشتی میں بٹھا دیا۔ روانگی کے وقت فرنگی افسر دو تین سپاہیوں کے ساتھ آیا اور کشتی کے ایک ایک آدمی کو شمار کر کے تیس آدمی پورے گئے اور ملا عزت اللہ صاحب کو نیچے اتر جانے کا حکم دیا۔ اور ملاح کو ڈانٹتا ہوا ملاح افسر کشتی سے اترنے لگا۔ قضا الہٰی سے اس کا پاؤں پھسل گیا اور پانی میں غوطے کھاتا ہوا ڈوبنے لگا۔ اور اس کی کشتی نما ٹوپی دہیٹ پانی میں تیرتی پھرتی تھی آخر ملاحوں نے بہ ہزار مشکل اس افسر کو پانی سے نکالا اور مقامی ملازمین اسے اٹھا کر لے گئے۔ ملا عزت اللہ صاحب باعزت کشتی میں بیٹھے رہے اور خیریت سے بمبئی پہنچ گئے۔

حضرت والد صاحب علیہ الرحمتہ نے آپ کے متعلق دوسری حکایت بھی بیان فرمائی کہ ایک دن ہوا بند ہو جانے کے باعث کشتی رات کے وقت سمندر کی تہ میں کھڑی ہو گئی اور کنارے کا پتہ بھی نہیں تھا۔ اسی رات چاند کی روشنی تھی دیکھا تو ملا عزت اللہ صاحب اپنا سامان اٹھا کر کشتی کے کنارے پر پہنچے اور سمندر میں اترنے کا ارادہ کیا۔ ہم نے جلدی سے منع کیا کہ کہاں جاتے ہیں تو کہنے لگے کہ صاحبزادہ محمد صالح جان نے بتایا ہے کہ کنارہ آ گیا اس لئے نیچے اترنے کا خیال ہے ہم نے کہا کہ صاحبزادہ آپ سے خوش طبعی کرتے ہیں۔ یہاں کنارہ اور زمین کہاں؟ آپ نے کہا کہ میں نے سمجھا کہ کنارہ پر پہنچ گئے ہیں۔

غرض یہ کہ حضرت ملا عزت اللہ صاحب طائف میں دو مہینے رہے۔ جب حج کا وقت قریب آیا تو آپ پر حرم بیت اللہ شریف کا شوق غالب آیا۔ اور حضرت والد صاحب مرحوم سے التماس کی کہ مجھے رخصت دیجئے تاکہ اپنے کو حرم مکہ مکرمہ تک پہنچاؤں۔ حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم نے فرمایا کہ اکٹھے جائیں گے مگر آپ کو آرام وچین نہ آیا۔ دو تین مسکین آدمیوں کے ہمراہ کرہ پہاڑ کے راستے روانہ ہوئے جب حج کے زمانہ میں ہم مکہ معظمہ پہنچے اور آپ کے رفیقوں سے آپ کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ کرہ پہاڑی کی پہلی منزل پر حرم محترم پہنچنے سے

پہلے آپ نے وفات پائی۔ اور اُسی جگہ مدفون ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۱۲۰ھ میں پیش آیا۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ داڑھی مبارک سفید تھی قد درمیانہ تھا۔ بیٹھ ٹیڑھی۔ سر تراشا ہوا۔ بصارت کم زور آنکھیں گریہ سے تر رہتیں۔ عبادت اور ریاضت کے انوار آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر تھے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

ومنہم جناب حضرت شیخ محمد تکروری مکی علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ نواح مصر کے باشندے تکروری قوم سے تھے تکرور قوم کے اکثر لوگ حج کے موسم میں بطریق تجرید مکہ معظمہ میں آتے ہیں مکہ مکرمہ میں ان کو فقیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں یہ لوگ رنگ کے سیاہ ہوتے ہیں۔ اکثر باربرداری کا کام کرتے ہیں۔ حضرت شیخ موصوف سے میرا تعارف ۱۱۴۳ھ میں حرم محترم مکہ معظمہ میں ہوا زیادہ تر آدھی رات کے بعد صبح تک طواف میں مشغول رہتے کبھی کبھی طواف میں اگر ملاقات کا موقعہ ملتا تو سورہ یٰسین آپ سے سننے میں آتی۔ عبادات میں بہت مرتاض تھے۔ اور اس میں اتنا ذوق وشوق تھا کہ اکثر مشائخ وقت میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ خدا تعالےٰ کی طرف سے موفق تھے۔ رات کو اچھی عبادت فرماتے اور دن کو باربرداری کا کام کرتے نہایت فقر وفاقہ میں گزارتے لوگوں سے بالکل کم بات چیت کرتے یاد الٰہی جل شانہ میں مشغول رہتے اور ذرہ بھر غفلت کو آپ کے سینہ مبارک میں گنجائش نہ تھی۔ اگر کوئی شخص اعتقاد اور نیاز سے پیش آتا تو اس کی صحبت سے بھاگ جاتے۔ اسی سال سفر حرمین شریفین میں حاجی عبداللہ خان تو خی حاکم بلخ رفیق سفر تھے اور خدا شناس وخدا طلب لوگوں کے طالب تھے مجھ سے موقعہ پر ایسے لوگوں کا پتہ پوچھتے تھے۔ ایک دن شیخ محمد تکروری کے متعلق کہا گیا کہ یہ شخص حق تعالےٰ کی طرف سے توفیق یافتہ ہے۔ آدھی رات کے بعد طواف میں آپ کو مل جائے گا۔ ان کی صحبت نہایت غنیمت ہے۔ خان مذکور نے آپ کا پتہ پا کر آپ سے تعارف پیدا کیا۔ اور آپ کے ساتھ اچھا اعتقاد رکھنے لگا۔ بس آپ نے اس بات کا اثر معلوم کرتے ہی خان مذکور کی صحبت کو بالکل ترک کر دیا۔

۱۔ حضرت شیخ محمد تکروری

طواف کے وقت اور دعا کے مستجاب و مقبول ہونے کی جگہوں پر ملتزم، تحت المیزاب ورکن یمانی وغیرہ پر نہایت سوز و گداز کے ساتھ دعائیں مانگتے تھے اور بعض اوقات بالکل عجیب وغریب قصے بیان فرماتے تھے افسوس کہ تحریر کے وقت وہ ذہن میں حاضر نہیں رہے جیسا کہ آپ اپنے کو محجوب و مخفی رکھنا چاہتے تھے۔ ان کے حالات بھی مخفی رہ گئے۔ ایام حج کے بعد ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے پھر ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اب تک قید حیات میں ہیں یا رہائی پا گئے۔ بہر حال جدھر بھی ہوں حق تعالیٰ کی عنایات شامل حال ہوں اور ان پیارے بندوں کی برکت سے خدا تعالیٰ مجھ جیسے ضعیف مشت خاک پر رحم فرمادے۔

۱۱- مولانا شیخ حاجی سید محمد عثمان شاہ

ومنھم جناب مولانا شیخ حاجی سید محمد عثمان شاہ سندھی میرپوری علیہ الرحمۃ ہیں۔ آپ بخاری سادات سے ہیں آپکے آبار کرام ہندوستان سے سندھ تشریف لاکر میرپور خاص کے قریب سکونت پذیر ہوئے تھے۔ آپ نے میرے والد ماجد قبلہ قدس سرہٗ سے طریقت کی تلقین حاصل فرمائی تھی اور کمال استقامت کے ساتھ وظائف بندگی میں مشغول رہتے تھے قرآن شریف کی تجوید دائرہ شریف (متصل اڈیرو لعل) کے سادات کرام سے حاصل فرمائی تھی اور چند سندھی کتابیں خصوصاً کتاب احکام فقہ مصنفہ سید علی محمد شاہ صاحب دائرہ والہ علمار چوتیاری سے برزبان یاد فرمائی تھی۔ علم قلیل کو عمل کثیر کے ساتھ ملا کر مقامات صبر و رضا و توکل و تبتل و حسن خلق میں کمال حاصل کیا تھا۔ آپ کلمۂ تقویٰ کے مصداق تھے۔ روزانہ وظائف دلائل الخیرات وغیرہ اس قدر پڑھتے تھے کہ بغیر توفیق ربانی سرانجام پانا غیر ممکن ہے تمام عمر سفر اور حضر میں وظائف ترک نہ فرماتے تھے۔ اگر کسی وقت مجھے علاقہ تارہ سندھ کا سفر پیش آتا تو اکثر آپ رفاقت فرماتے اور اپنی نیک صحبت سے مسرور فرماتے۔

سندھ میں کسی غیر قوم سے آپ نے شادی کی تھی حق تعالیٰ نے اس پارسا بی بی سے آپ کو سات لڑکے عطا فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک مجذوب تھا۔ آپ کو اس سے بہت محبت

تھی۔ زمانہ کے لوگوں سے آپ کو تکلیفیں پہنچتیں تو صبر فرماتے اور نیکی سے انہیں یاد فرماتے۔

ان تکلیفوں میں سے ایک یہ بھی در پیش آئی۔ کہ ایک شخص پنجاب سے آیا۔ اور صالحین کے لباس میں اپنے کو سید ظاہر کر کے آپ کی دختر معصومہ سے شادی کی چند مدت کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شخص شریروں کے گروہ میں سے تھا۔ اور اس سے آپ کو سخت تکلیفیں اور اذیتیں پہنچیں۔ آپ کمال درجہ کے زاہد و پرہیزگار تھے۔ زمانہ کے مصائب پر صابر و شاکر رہتے۔ لوگوں سے گفتگو بہت کم فرماتے آپ کی عادت تھی کہ رسمی مجلس اور گفتگو کے بعد اٹھکر مسجد یا کسی مکان کے گوشہ میں بیٹھ کر اپنے وظائف میں مشغول ہوتے۔

نیازمند کے ساتھ بہت ارتباط فرماتے تھے اور اپنے خاص حالات بیان کرتے تھے۔ تھوڑی سی زرعی زمین آپ کی ملکیت میں تھی۔ اس کو چرخی پانی کے ذریعے آباد کر کے عیال کے خرچ میں لاتے۔ بعض اوقات مالی فتوحات حاصل ہوتیں یا بعض مخلصین آپ کو دعوت کر کے اپنے ہاں لے جاتے۔ وہاں سے جو کچھ نذرانہ وغیرہ ملتا عیال واطفال کے خرچ میں لاتے آپ نے مسکینی کی حالت میں عمر عزیز بسر فرمائی۔ آخر عمر میں اہلِ خانہ کی ناسازی کے باعث آپ کو دوسری شادی کا شوق پیدا ہوا اور مشورہ کے لئے میرے پاس پہنچے اتفاقاً انہی دنوں میں مجھے کراچی کا سفر در پیش آیا۔ اور آپ نے سُن رکھا تھا کہ کراچی میں بعض شریف بلوچ ایسے ہیں جو شادی کے رابطہ کے لائق ہیں۔ اسی ارادہ کے ساتھ آپ خوشی سے رفیق ہوئے اور کراچی میں بعض جگہوں سے آپ کے مقصد کا پتہ چلا۔ مگر تقدیراً شدید بخار کی وجہ سے آپ بیمار ہو گئے۔ اور واپس نیازمند کے ساتھ حیدر آباد پہنچے کسی کام کی وجہ سے کچھ وقت مجھے حیدر آباد رہنا پڑا۔ اور آپ بیماری کے باعث رخصت یاب ہو کر اپنے گھر تشریف لے گئے جو میرپور خاص سے قریب تھا گھر پہنچتے ہی چار یا پانچ دن میں عالمِ فانی کو وداع کہتے ہوئے عالم قدس کی طرف سدھار گئے انا للہ وانا الیہ راجعون یہ واقعہ ۱۳۲۵ھ میں وقوع پذیر ہوا اور آپ اسی جگہ مدفون ہوئے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

ومنہم مخلص مولانا شیخ آخوند سچیلہ سندھی بختیارپوری رحمہ ہیں جو آخوند سچل کے نام سے مشہور تھے آپ بختیارپور کے آخوندوں میں سے تھے. بختیارپور قصبہ ہے جو اب تحصیل اب تحصیل سیہون ضلع دادو سندھ میں واقع ہے. آپ کی نسبت ارادت نیازمند کے جد امجد خلاصۂ آلِ معصوم حضرت شیخ عبدالقیوم صاحب قدس سرہٗ سے تھی اور اس بحرِ ذخار سے فیضیاب تھے بہت مدت اپنے مرشد کی خدمت اقدس میں رہ کر طریقت کی منزلوں کو آخر تک پہنچایا تھا۔ اوائل عمر میں کچھ مدت سرکار وقت کی ملازمت میں تحصیلدار کے عہدہ پر شہر دادو میں رہے اور زمانہ کے ذی جاہ لوگوں میں سے تھے۔

بعد میں جب حضرت صمدیت جل شانہٗ کی درگاہ کی طرف رجوع فرمایا اور توفیق انابت نصیب ہوئی تو اپنے مرشد صاحب قبلہ کی صحبت و برکت سے دنیا و ما فیہا سے اس قدر متنفر ہوئے کہ آپ کے حضور میں زیادہ تر کوئی دنیاوی بات چیت نہ کرسکتا تھا۔ اور کلی طور پر خداتعالیٰ کی طرف رجوع فرماکر تمام مال و اسباب کو ترک کردیا تھا. خداتعالیٰ کی عبادت اور مرشد کی خدمت میں مشغول رہتے تھے. آپ کے تین بھائی تھے آخوند میاں امید علی و آخوند خدابخش و آخوند دوست محمد یہ سب دنیاوی کاموں میں مشغول تھے. ان سب کو اپنے مرشد صاحب قبلہ کے حضور میں لاکر بیعت کرکے امور آخرت کی طرف رجوع کرایا۔ اور آپ آخر عمر تک کامل استقامت کے ساتھ مسکینی حالت میں رہے.

جب سنہ ۱۲۹۰ھ میں نیازمند کے حضرت والد ماجد قبلہ علیہ الرحمۃ قندھار سے سندھ کے سفر پر تشریف لائے تو نیازمند غلام کاتب الحروف کو بھی جو بارہ سال کی عمر میں تھا اپنے ہمراہ لائے تھے. اس سفر میں آخوند صاحب مذکور اکثر آپ کے ہم رکاب رہے اور پاپیادہ منازل سفر طے فرماتے تھے. مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اکثر اوقات حضرت والد صاحب قدس سرہٗ پیرانہ سالی کا خیال فرماکر آخوند صاحب کو سوار ہونے کے لیے اصرار فرماتے مگر آخوند صاحب نہایت تواضع اور ادب سے ہزار حیلوں کے ساتھ معافی طلب فرماتے اور حضرت والد ماجد

۱۲ مولانا شیخ آخوند سچیلہ سندھی

قبلہ قدس سرہٗ کی سواری کے آگے پا پیادہ چلتے۔ زیادہ تر گریہ کی حالت میں دوڑتے ہوئے چلتے تھے۔ اکثر اوقات منزل پر صاحب دعوت سے مذبوحہ بکری کا بازو لے کر قبلہ گاہ مرحوم کے لئے اپنے نمونہ کے مطابق کباب تیار کرتے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریف کو اس قدر کثرت سے مطالعہ فرماتے تھے کہ گویا مکتوبات کے حافظ تھے۔ اگر کوئی شخص مکتوبات کا کوئی فقرہ زبان پر لاتا تو بروقت فرماتے کہ یہ فقرہ فلاں مکتوب اور فلاں دفتر میں ہے۔ الحمد للہ کا مبارک لفظ ہر وقت آپ کی زبان پر جاری تھا۔ گفتگو میں آپ کا تکیہ کلام یہی لفظ تھا۔ چنانچہ بعض لوگ آپ کو "آخوند الحمد للہ" کہتے تھے۔ اور آپ کی پہچان کا یہ خاص نشان تھا۔

حضرت میاں عبدالقدوس صاحب مجددی جو نیاز مند کاتب الحروف کے پھوپھی زاد بھائی تھے آپ کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ ایک دن علاقہ سیون میں سفر کے دوران میں وہ اونٹ جس پر میں سوار تھا ایک جگہ گرا اور میری پنڈلی پر سخت چوٹ آئی جس سے میں بیہوش ہو گیا۔ کچھ وقت کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو ہر ایک رفیق ہمدردی کے باعث خیریت پرسی کرنے لگا۔ آخوند میاں سچیدنہ صاحب نے بھی جو رفیق سفر تھے خیریت پرسی فرمائی میں نے جواب دیا کہ میرے پاؤں کو سخت صدمہ پہنچا ہے اور بہت درد ہے۔ اخوند صاحب نے اپنی عادت کے مطابق کہا۔ الحمد للہ۔ مجھے ان کے بے محل الحمد للہ کہنے سے عین درد کی حالت میں ایسی بے اختیار ہنسی آئی کہ اسی وقت درد فراموش ہو گیا۔

آپ آخر عمر میں سلسل البول کے مرض میں مبتلا تھے۔ اور کمال پرہیزگاری کے باعث کپڑے کی چھوٹی سی تھیلیاں بنا کر ان کو صاف مٹی سے بھر کر باری باری کمر سے باندھتے تاکہ پیشاب کے قطرے بدن یا کپڑے کو پلید نہ کریں۔ پھر ان تھیلیوں کو باری باری سے صاف کر کے دھوتے۔ اس بارے میں آپ سخت تکلیف اٹھاتے۔ عبادات و نوافل اور ذکر قلبی وغیرہ مراقبات میں نہایت شوق سے مشغول رہتے اور اپنا عزیز وقت بالکل ضائع

نہ فرماتے۔ امر معروف اور نہی منکر میں بلا تحاشا مشغول رہتے اور کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ اس لئے کم دیانت اور بدعتی لوگ خوف سے آپ کی مجلس میں اکثر حاضر نہ ہوتے تھے۔ مسکین اور ضعیف البدن ہوتے ہوئے بھی آپ اس قدر بارعب و باہیبت تھے۔ کہ متجبرین اہل دولت کو بھی آپ کے حضور میں گفتگو کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اور آپ کی طبع پر خاموشی اور گریہ غالب تھا۔

مجھے یاد ہے کہ ۱۳۰۹ھ یا ۱۳۱۰ھ میں آخوند صاحب مرحوم اور میں حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم کی خدمت شکارپور کی منزل پر حاضر تھے اور حضرت قبلہ گاہ مرحوم نے رجب ۱۳۰۵ھ سے لے کر (جب کہ حرمین شریفین سے باعیال و اطفال واپس تشریف لا کر سندھ میں سکونت پذیر ہوئے تھے ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ کے آخر تک) امامت کا کام میرے سپرد فرمایا تھا ایک دن میں شکارپور میں فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے اول رکعت میں سورہ مزمل اور دوسری میں سورہ نوح سہواً پڑھ گیا۔ اگرچہ حضرت قبلہ گاہ قدس سرہ اور بہت سے دوسرے لوگ جماعت میں حاضر تھے۔ لیکن بعد فراغت نماز آخوند صاحب مذکور نے فراغت کے وقت نہایت ادب سے مجھے کہا کہ آئندہ ایسا نہیں پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ سورتوں کو نماز کے اندر ترتیب وار پڑھنا مسنون ہے اور آج آپ نے سورتوں کو آگے پیچھے کرکے پڑھا ہے اس دن سے تلاوت قرآن شریف کے وقت جب اس مقام پر پہنچتا ہوں۔ تو آخوند صاحب کی وصیت یاد آتی ہے چنانچہ اسی وقت آپ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔

آپ ۱۳۱۱ھ میں قصبہ ٹکھڑ ضلع حیدرآباد سندھ میں حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم کی خدمت میں بہت مدت تک حاضر رہے آپ سید غلام نبی شاہ مرحوم کے مہمان خانہ میں رہتے تھے کیونکہ اس وقت یہ مہمان خانہ حضرت والد ماجد قدس سرہ کے مہمانوں کی تحویل میں رہتا تھا وہاں سے آخوند صاحب پانچوں وقت اس مسجد میں نماز باجماعت کے لئے حاضر ہوتے۔ جہاں حضرت والد ماجد قبلہ مرحوم نماز ادا فرماتے تھے۔ ایک دن نیا وضو بنا کر مسجد کی طرف تشریف

لا رہے تھے تو راستہ میں ایک سینگوں والے بڑے دنبے نے آپ کو ٹکر مار کر زمین پر گرا دیا۔ جس کے باعث آپ کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آخر لوگوں کی مدد سے مہمان خانے تک پہنچے اور روزانہ حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرہم پٹی کر کے ٹانگ کو درست کرتا۔ مدت تک درد کی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ اگر کوئی آپ سے خیریت پرسی کرتا تو لفظ الحمد للہ کے سوا دوسرا کچھ نہ فرماتے چونکہ پیرسنی کی وجہ سے ہڈی بہت مدت کے بعد درست ہوئی آپ کے بھائی شفایابی کے بعد اپنے گھر لے گئے اور ۱۳۱۲ھ میں اپنے قصبہ بختیار پور میں انتقال فرما کر رحمت الٰہی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ کوتاہ قد رنگ سیاہی مائل داڑھی مبارک گھنی سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں تھے۔ ہاتھوں اور پیروں پر خشکی کے نشان اور کالے نقطے ظاہر تھے۔ پیشانی پر سجدہ کا نشان بھی نمایاں تھا۔ دنیا سے غافل اور خدا تعالیٰ کے ساتھ شاغل تھے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(۱۴) دہم جناب مولینا شیخ حاجی محمد اسمٰعیل خان نظامانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حاجی محمد رحیم صاحب کے فرزند اور شیخ عارف میاں احمد خان نظامانی علیہ الرحمۃ کے فرزند تھے۔ آپ کی سکونت نم کے گاؤں میں تھی جو ٹنڈو محمد خان ضلع حیدرآباد سندھ کے نواح میں ہے۔ آپ کے جد امجد مخدوم محمد ابراہیم صاحب تتوی علیہ الرحمۃ کے پہلے خلیفہ تھے۔ آپ کا نسب نظامانی قبیلہ سے ہے اور نظامانی سندھی بلوچوں کے ایک مشہور قبیلہ کا نام ہے۔ آپ میں بچپن سے مجذوبی کے آثار پائے جاتے تھے۔ آپ سے نیاز مند کاتب الحروف کی پہلی ملاقات ۱۲۹۱ھ میں ہوئی جب کہ راقم حضرت والد ماجد قبلہ علیہ الرحمۃ کی ہمرکابی میں قندھار سے سندھ کو آیا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی بے تکلفانہ گفتگو فرماتے تھے۔ زمانہ کے رسم و رواج سے زیادہ تر بے خبر تھے۔ اور نفس امارہ کے مکر و فریب سے رہائی پائے تھے۔ عبادات اور وظائف میں میانہ روی رکھتے تھے۔ مگر باطن کی صفائی اور دلی رازوں کے معلوم کرنے میں

آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ اگرچہ ظاہری علم میں چنداں مہارت نہ تھی۔ مگر باطنی علوم سے بھرپور تھے
۱۲۹۷ھ میں جب کہ حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم عیال و اطفال سمیت افغانستان
سے ہجرت کر کے حرمین شریفین میں سکونت کے ارادہ سے سندھ میں وارد ہوئے۔ اور کچھ وقت
قصبہ ٹکھڑ میں قیام فرمایا تو میاں اسماعیل خان مذکور آپ کا سن کر ٹکھڑ میں حاضر خدمت ہوئے
ایک ضعیف گھوڑی اور نحیف خادم آپ کے ساتھ تھا۔ درویشانہ پرانا سادہ لباس رکھتے تھے
اس وقت حضرت والد صاحب مرحوم کے مہمانوں کے لئے سید غلام نبی شاہ کا مہمان خانہ (جو
جون واہ کے کنارے پر اونچائی میں واقع تھا) وقف تھا۔ اور مہمان خانہ کی چھت کے نیچے سواری
کے جانور باندھے جاتے تھے۔ میاں اسمٰعیل خان مرحوم نے گھوڑوں کے باندھنے کی جگہ میں اپنے
سونے کے لئے جگہ مقرر فرمائی ہر چند آپ کو کہا گیا کہ مہمان خانہ کے بالائی حصہ میں آپ آرام فرمائیں
مگر قبول نہ کیا۔ گرمی کے موسم میں وہاں جنوبی ہوا زور سے چلتی تھی۔ مٹی اور گرد وغیرہ تنکے پاک اور
ناپاک آپ پر پڑتے رہتے اور آپ بالکل فرحت کے ساتھ وہاں بیٹھے رہتے۔ آپ سرائیکی زبان
میں گفتگو فرماتے تھے جو سندھی بلوچوں میں معمول و مروج ہے۔ آپ نے جتنا وقت وہاں
قیام فرمایا اسی جگہ میں رہے حضرت والد ماجد صاحب قبلہ قدس سرہ آپ کی بڑی خاطر و مدارات
فرماتے۔ خاص طور پر آپ کی طرف متوجہ ہو کر علیحدہ ان کے ساتھ جا بیٹھتے اور انس فرماتے۔

اسی زمانہ میں حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی منزل آپ کے گاؤں نم میں ہوئی اور نیاز مند
کاتب الحروف بھی خدمت میں حاضر تھا حاجی میاں اسمٰعیل خان مرحوم خدمت دعوت
کی بجا آوری کے بعد حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کو دعا طلبی کے لئے اپنے گھر لے گئے اور میں بھی حاضر
تھا۔ وہاں آپ نے حضرت قبلہ گاہ مرحوم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ حضرت! دعا کیجیے۔ کہ
حق تعالیٰ مجھے فرزند عطا فرمائے حضرت قبلہ گاہ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا۔ کہ فرزند تیرے
کس کام آئے گا۔ تیری عمر ستر سال سے زیادہ کو پہنچ چکی ہے۔ اب فرزند تیری کیا خدمت کریگا
آپ نے کہا کہ حضرت! میں فرزند اس لئے چاہتا ہوں کہ حضرت امام مہدی کے لشکر میں داخل ہو

حضرت والد صاحب قبلہ نے آپ کے لیے دعا فرمائی حضرت خلاق عالم جل شانہ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا۔ اور اس کا نام محمد پریل رکھا جو تادم تحریر تالیف رسالہ ہذا ۱۳۳۶ھ تک زندہ اور صاحب اولاد ہے۔ اس حکایت بیان کرنے سے مقصود یہ ہے۔ کہ آپ کو حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قدر محبت تھی کہ زیادہ تر آپ کی زبان پر انہی کے نام کا وِرد رہتا۔ اور ہمیشہ کہتے کہ میرے لیے دعا کیجیے۔ کہ حضرت امام مہدی کو دیکھوں اور ان کے لشکر میں داخل ہو جاؤں۔ گویا آپ مہدوی المشرب تھے۔

آپ کے متعلق نیاز مند نے ایک شخص سے سنا کہ وہ کئی دفعہ دعا طلبی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ہر دفعہ اس سے پوچھے بغیر آپ نے اس کے مقصد کو زبان پر لاتے ہوئے دعا فرمائی۔

چونکہ آپ کے ذکر میں آپ کے دادا عارف باللہ حاجی احمد خان نظامانی علیہ الرحمۃ کا ذکر بھی ضمناً کیا گیا ہے۔ اس لیے ان کے متعلق جو حکایت میں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے اس کا بیان مناسب نظر آیا۔ "فان الکلام ینجر الی الکلام" یعنی ایک کلام سے دوسری کلام چھڑ جاتی ہے۔ وہ حکایت یہ ہے کہ حاجی احمد خان مرحوم کے مرشد مخدوم محمد ابراہیم صاحب ٹھٹوی علیہ الرحمۃ کے زمانے میں اس بات کا چرچا و غلغلہ ہوا کہ شکارپور سندھ میں ایک شخص صاحب کرامت اور خوارق عادات پیدا ہوا ہے۔ جس کا نام شیخ حاجی فقیر اللہ صاحب علیہ الرحمۃ ہے۔ حضرت مخدوم صاحب نے اپنے خاص خلیفہ حاجی احمد خان مذکور کو کہا کہ شکارپور جا کر وجہ قلبی اور باطنی طور سے اس شخص کا حال معلوم کر کے مجھے اطلاع دے اگر فی الواقع صاحب استقامت اور عارف باللہ ہے۔ تو میں خود آکر شرف زیارت حاصل کروں۔ حاجی احمد خان مذکور اپنے پیر کے ارشاد کے مطابق منزلیں طے کرتے ہوئے شکارپور پہنچے۔ اور بزرگ موصوف کے مکان کا پتہ پوچھ کر وہاں حاضر ہوئے۔ دیکھا تو لوگوں کا ہجوم اور غلغلہ اس سے بڑھ چڑھ کر ہے جو انہوں نے سنا تھا۔ آہستگی کے ساتھ بزرگ موصوف کی مجلس کے ایک کونے میں بیٹھ کر

مراقبہ میں مشغول ہوئے اور کتنا ہی متوجہ ہوئے مگر مکاشفہ میں تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ حیران ہو کے پھر دوبارہ متوجہ ہوئے وہی تاریکی دیکھنے میں آئی۔ تیسری دفعہ متوجہ ہوئے۔ پھر وہی دیکھا۔ آخر ناامید ہو کر اپنے پیر صاحب کی خدمت میں خط لکھا کہ آپ کے حکم کے مطابق شکارپوری بزرگ کے حال پر توجہ کی گئی۔ تاریکی کے بغیر کچھ نظر نہ آیا اور آخر میں خواجہ حافظ شمس الدین شیرازی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر لکھا ہے

در ہیچ کس نشانے زان دلستان ندیدم یا من خبر ندارم یا او اثر ندارد

آخر میں معلوم کیا کہ بزرگ مذکور کو علم جفر میں بڑی مہارت ہے اس کی وجہ سے یہ کرشمے دکھاتا ہے مگر صحیح علم خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔

حاجی اسمٰعیل خان میانہ قد تھے۔ داڑھی گھنی۔ چہرہ سفید آنکھیں فراخ تھیں آپ ستر سال سے زیادہ عمر پاکر رحمتِ حق سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ اپنے دادا مرحوم کے قریب قبرستان میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

ذکر جناب شیخ درس میاں محمد ہاشم صاحب

ومنہم جناب شیخ درس میاں محمد ہاشم صاحب سندھی رحمہ رہے ہیں۔ آپ کی سکونت موضع کلاری میں تھی جو تحصیل ٹنڈہ محمد خان ضلع حیدرآباد سندھ میں واقع ہے۔ آپ کا نسب راج شاہی ولد درس مصری۔ آپ صاحبِ استقامت وریاضت تھے۔ عباداتِ الٰہیہ میں بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ اوباش لوگ آپ کو بہت ستاتے مگر آپ نہایت صبر و سکوت کے ساتھ ان کی اذیتیں برداشت فرماتے۔ دراصل خدا تعالیٰ کی طرف سے بعض اولیاء اللہ کے واسطے یہ ایک قسم کا امتحان ہوتا ہے۔

آپ کو حضرت والد صاحب قبلہ مرحوم سے کمال محبت تھی۔ آپ شیخ احمد محمد کے مزارات واقعہ کنارہ کوہ گنجہ (جو قصبہ ٹکھڑ سے شمالی جانب دو میل کے فاصلے پر واقع ہے) چلہ کشی فرماتے تھے چونکہ حضرت قبلہ گاہ مرحوم کا مزار بھی اسی جگہ میں ہے لہٰذا ایک دن نماز صبح کاتب الحروف حضرت والد ماجد قدس سرہ کے مزار کی زیارت سے مشرف ہو کر شیخ احمد محمد

عمر میں سب بزرگوں سے حسن ظن ہے لیکن [illegible]

کے مقبرہ سے گزرا تو وہاں ایک پرانی منہدم شدہ مسجد کے کونے میں ایک شخص مراقبہ میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔ میں نے کہا کوئی مسافر خدا پرستوں کے گروہ سے اس تنہائی میں بیٹھا ہوا ہے میں نے زیارت حاصل کرنے کے خیال سے حاضر ہو کر سلام کیا۔ تو آپ نے سر اٹھایا تو دیکھا کہ درس میاں محمد ہاشم صاحب ہیں۔ مگر اس وقت ایسے مغلوب الحال تھے۔ جو کسی کو نہ پہچانتے تھے۔ آخر کچھ وقت کے بعد اپنے حال میں آئے اور مجھے پہچان کر التفات فرمایا۔ میں ایک گھڑی بیٹھ کر آپ سے رخصت ہوا۔ آپ لقمۂ حلال کے لئے بہت احتیاط فرماتے۔ اوائل عمر میں اپنی ہی کھیتی باڑی سے اپنا خرچ حاصل کرتے۔ اس کے بعد بعض وجوہات کی بنا پر آپ کو اس میں کچھ شبہ نظر آیا۔ اس کو ترک کر کے جھاڑ پھونک و تعویذات وغیرہ کی حاصلات و فتوحات پر گزارہ کرتے۔ کچھ مدت کے بعد اس کو بھی چھوڑ کر تداوی اور طبابت شروع کی اور بعض لوگوں کا علاج کرتے اور اس سے اپنا خرچ پیدا کرتے۔

حضرت قبلہ گاہ مرحوم کے آخری مرض میں حکمائے وقت کے بہت علاج کئے گئے۔ مگر چونکہ تقدیر موافق نہ تھی تدبیر سے فائدہ نہ ہوتا تھا۔ اسی اثنا میں درس میاں محمد ہاشم صاحب بھی آپ کی خدمت میں پہنچے اور علاج کے لئے عرض کیا۔ اس پر عمل کرنے سے جب کچھ فائدہ نظر آیا۔ تو آپ نے کمال ضعف کی حالت میں دوسرے دن فرمایا۔ کہ سب قرابادینیات کی کتابیں جھوٹی نکلیں اور درس میاں محمد ہاشم سچا نکلا۔ اس قصہ کو میں نے کتاب انیس المریدین میں مفصل لکھا ہے جو کہ حضرت والد صاحب مرحوم کی سوانح عمری کے متعلق لکھی گئی ہے چونکہ درس میاں محمد ہاشم صاحب کے ذکر میں درس کا لفظ بار بار آیا ہے اور جو لوگ اہل سندھ کی اصطلاح سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو اس لفظ کے سمجھنے میں دقت ہو گی۔ اس لئے لکھا جاتا ہے۔ کہ اہلِ سندھ کی اصطلاح میں درس کا لفظ بزرگ یا بزرگ زادہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

آپ کا حلیہ مبارک:۔ قد کوتاہ تھا۔ ضعیف البدن تھے۔ داڑھی کم تھی۔ سفید چہرہ۔ آنکھیں

فرخ تھیں۔ سرفراز ہوا۔ افسوس کہ ۱۳۲۰ھ میں آپ جیسے دریگانۂ زمانہ کی جیب سے خاک میں جاکر مختفی ہو گئے۔ آپ اپنے اجداد وکرام کے مقبرہ واقع دامن کوہ گنجہ کے گنج میں جا ملے۔
رحمۃ اللّٰہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

ومنہم[۱۵] جناب مولٰنا شیخ سید محمد ارسلان شاہ افغان رحمہ ربہ ہیں۔ آپ پشنگی ساداتوں میں سے تھے۔ اور شیخ ملا روح اللہ افغان تیرینی پشنگی کے مرید تھے اور شیخ ملا روح اللہ صاحب مرحوم حضرت ملا محمد عیسیٰ کدنی والا رحمہ ربہ کے مرید تھے۔ اور وہ حضرت ملا نور محمد قندہاری منارہ والا علیہ الرحمۃ کے مرید تھے اور وہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہ کے مرید تھے۔ آپ کے مرشدی سلسلہ کی حقیقت جو مجھے معلوم ہوئی ہے وہ یہی ہے اور بہترین علم حق سبحانہ وتعالیٰ کے پاس ہے۔

سید محمد ارسلان شاہ صاحب مرحوم صاحب عرفان وسلوک تھے اور نہایت متقی عابد تھے۔ ابتدا میں پشنگی سیدوں کے دستور کے مطابق تجارت کے ذریعہ گزر اوقات کرتے تھے۔ بعد میں جب حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب ہوئی۔ تو تجارت وغیرہ کو ترک کر کے عبادت الٰہی جل شانہ میں مشغول ہوئے اور اکثر عمر ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدر آباد سندھ میں آ کر گزاری نیاز مند سے خاص محبت واتحاد رکھتے تھے۔ اور بسا اوقات تو حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی قصبہ نگھر میں تشریف لاتے تھے۔ اور ان دنوں میں نیاز مند کی سکونت بھی وہاں تھی۔ چند وقت ہمارے ہاں قیام فرما کر چلے جاتے اور جاتے وقت سوکھی روٹی کے ٹکڑے اپنے ساتھ لے جاتے اور مدت تک ان کو پانی میں بھگو کر روزہ افطار فرماتے رہتے اور بعض اوقات علاقہ ڈھورو نارہ ضلع تھرپارکر سندھ کی طرف تشریف لے جاتے۔ وہاں کے مخلصین سے جو فتوحات حاصل ہوتیں ایک سال یا دو سال کے بعد آپ کا صاحبزادہ پشنگ سے آ کر اس کو عیال کے خرچ کے لئے لے جاتا۔

سواری کے لئے ایک ضعیف گھوڑی اپنے پاس رکھتے اور کبھی کوئی خادم بھی رفاقت

کے لئے اپنے ساتھ رکھتے۔ اور اس کے لئے جدا ایک ضعیف ترگھوڑی رکھتے اور لباس میں سادگی پسند فرماتے۔ افغان تاجروں کی طرح پشاوری لنگی سر پر باندھتے اور قدیمی افغانوں کی طرح کشادہ پاچہ شلوار پہنتے تھے۔

بڑا زبردست کشف آپ کو حاصل تھا۔ اکثر اوقات کسی کونہ میں مراقبہ کر کے بیٹھے رہتے۔ فقط ضرورت کے وقت افغانی زبان میں گفتگو کرتے۔ عبادات اور اوراد و تہجد کے بہت عاشق تھے۔ علم ظاہری میں قرآن شریف اور وظائف و افغانی فقہ کی مطبوعہ اور مروجہ کتابیں پڑھی تھیں مگر علم کے بڑے شوقین تھے کسی جگہ سے کوئی مسئلہ یا کوئی حکایت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی سنتے تو بڑے شوق سے یاد کرتے اور سلف صالحین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش فرماتے مشائخ وقت کے ناز و انداز اور فریبی دام بچھانے اور ان کی بدعتی کارروائیوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔

ایک دن نیازمند سے فرمایا۔ کہ مکاشفہ کے ذریعہ میں نے دیکھا۔ کہ سارے سندھ پر تاریکی چھا گئی ہے اور گرد و غبار سے یہ سرزمین بھر گئی ہے قدم رکھنے کی جگہ بھی نہیں ملتی ایسی تاریکی میں ایک مدھم سی روشنی مجھے نظر آئی بمشکل سے اس روشنی کے ذریعے اس خطرناک منزل کو طے کیا جا سکتا ہے میں نے عرض کیا کہ اس کشف کی تعبیر بھی آپ فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ تاریکی پیران زمانہ کی بدعات اور ناجائز کارروائیوں سے ملک میں پھیلی ہے اور یہ ضعیف روشنائی جو دیکھی گئی وہ نقشبندی طریقہ کی ہے۔ جو ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کی طرف دلالت کرتی ہے اور اس کی ضعیفی کی وجہ یہ ہے کہ طریقہ نقشبندیہ کے پیرو اور مرید دوسرے طریقوں کی نسبت تھوڑے ہیں۔

آپ حضرت والد قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی وفات کے بعد تشریف لاتے تھے۔ بہت دلجوئی اور بےحد عنایت فرمائی۔ ململ کے کپڑے کا ٹکڑا اور پگڑی اور دو روپے جیب سے نکال کر عنایت فرمائے اور کہا کہ اس کو سنبھال کے رکھنا۔ نیازمند نے ارادتمندی سے قبول

کے تبرک کے طور پر رکھ لیے۔

آپ فرماتے تھے کہ جب آنکھیں بند کرتا ہوں تو مردوں سے کام پڑتا ہے میری گفتگو اور مجلس مریدوں سے ہوتی ہے۔ اور مجھے نیک لوگوں کے وفات پانے کا افسوس ہوتا ہے آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ مگر بدن میں ایسے قوی تھے۔ کہ تیس سال کا جوان ان سے مقابلہ نہ کر سکے کبھی اوقات مخصوصہ میں آپ کو ایسا جذبہ محبت الٰہی جل شانہ لاحق ہوتا تھا۔ جو کوئی شخص آپ کی سرخ آنکھیں دیکھنے کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ اہل سنت و جماعت سے برخلاف فرقوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ خاص طور پر اہل تشیع سے جو سندھ میں کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں متنفر تھے۔ آپ اپنے مرشد حضرت ملا روح اللہ صاحب علیہ الرحمۃ کے کشف و کرامات کی عجیب و غریب حکایتیں بیان فرماتے تھے۔ سندھی لوگوں سے وصول کی ہوئی فتوحات کو مکروہ سمجھتے اور کہتے کہ اس سے بدبو آتی ہے اور اس سخن کو اداکرتے وقت پیشانی مبارک کو بل دیتے اور کہتے میں اسے اپنے کام میں نہیں لاتا مگر کیا کروں میرا فرزند عیال کے خرچ کے لیے آتا ہے اگر کچھ نہیں پاتا تو ناراض ہوتا ہے اس کی خاطر کچھ جمع کر لیتا ہوں۔

آپ اپنی جوانی کی عجیب حکایتیں بیان فرماتے تھے کہ تجارت کے سفر میں ہندوستان کے ایسے جنگلوں سے گزر ہوتا جہاں شیر ہم پر اور ہمارے گھوڑوں پر حملہ کرتے اور بہت دلیری سے مقابلہ کر کے جان بچاتے اس سے آپ کی بلند ہمتی معلوم ہوتی ہے سچ ہے خیارکم فی الجاہلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا الحدیث یعنی جاہلیۃ کے بہترین لوگ وہ ہیں جو اسلام لانے کے بعد دینیات میں سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

آپ کا حلیہ مبارک یہ ہے۔ قد لمبا تھا۔ اعضا قوی تھے۔ چہرہ سرخ ناک بلند سفید داڑھی لمبائی میں درمیانی تھی۔ آنکھیں سرخ تھیں۔ دنیا میں امید تھوڑی رکھتے۔ اور عمل بہت کرتے افسوس کہ ۱۳۲۲ھ میں ستر اور اسی سال کے درمیان انتقال فرمایا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

۱۶- شیخ حاجی عبدالواحد سیوانی بوبکانی

ومنہم[۱۶] جناب مولٰنا شیخ حاجی عبدالواحد سیوانی بوبکانی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ دراصل قصبہ بوبک کے ملاؤں میں سے ہیں۔ بوبک تحصیل سیہون ضلع دادو سندھ کا ایک قصبہ ہے آپ نے طریقہ نقشبندیہ کی تلقین نیازمند کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقیوم صاحب علیہ الرحمۃ سے حاصل کی تھی۔ اور مدت تک ان کی خدمتِ اقدس میں رہ کر ان کے بحرِ فیوض سے سیراب ہوتے تھے عبادات میں آپ بہت مرتاض تھے علوم مروجہ بقدر ضرورت علم وقت سے حاصل کئے تھے حرمین شریفین کی زیارت سے کئی بار مشرف ہوئے تھے۔ اکثر اوقات زندگی درویشی اور مسکینی میں گزارتے جن دنوں میں آپ سے میری ملاقات ہوئی آپ کی عمر ستر سال سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک پاؤں میں کچھ لنگ تھا۔ عصا کی مدد سے چلتے تھے سلوک کے مشہور مقامات اپنے مرشد قدس سرہ کی توجہ سے طے فرمائے تھے۔ آپ آخوند حاجی سیجیڈنہ (جن کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) کے ہم صحبت تھے۔ آپ دنیاوی تعلقات سے آزاد ہوکر ہر وقت مشغول بہ حق تھے۔

۱۲۹۹ھ میں جب کہ حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہٗ علماء اور فقراء کی بڑی جماعت کے ساتھ سندھ سے سرہند شریف کے سفر پر گئے تھے تو حاجی عبدالواحد صاحب بھی سفر میں حاضرِ خدمت تھے اور حضرت قبلہ گاہ قدس سرہٗ آپ کی زیادہ خاطر و مدارات فرماتے تھے اس سفر میں جو اصحاب حضرت قبلہ قدس سرہٗ کے ہمرکاب تھے چند کے اسماء یہ ہیں:-

(۱) مولوی حاجی عبداللہ صاحب واہاری جو کہ جید عالم تھے (۲) مولوی میاں عبدالہادی کھپی۔ (۳) سید حاجی گل محمد شاہ باجارائی (۴) جامع الفضائل سید میراں محمد شاہ ٹکھڑائی (۵) سید حاجی غلام نبی شاہ (۶) ان کے بھائی سید غلام محمد شاہ ٹکھڑائی (۷) خلیفہ عبدالہادی ولد خلیفہ محمد قاسم مٹیاری والے (۸) ملا عبدالکریم بھاگی (۹) حضرت میاں عبدالقدوس صاحب مجددی نبیرزادہ حضرت والد قدس سرہٗ (۱۰) حاجی عبدالواحد صاحب بوبکانی (۱۱) نیازمند کاتب الحروف محمد حسن عفی عنہ وغیرہم۔ چند نفر خدام اور ملازم تھے۔ افسوس کہ تحریر رسالہ کے وقت اس مبارک سفر

کے رفیقوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ اور سب آخرت کو سدھار گئے۔ اللّٰھم اغفرھم وارحمھم واغفرلنا وارحمنا ببرکتھم۔

حاجی عبدالواحد صاحب مذکور باطنی کمال کے ہوتے ہوئے نہایت سادہ مزاج تھے۔ اور آپ کی طبع میں زود رنجی تھی تھوڑی مخالفت کسی سے دیکھتے تو اسے تنبیہ اور منع فرماتے اور امر معروف میں سستی نہ فرماتے کبھی کبھی جماعت رفقا میں سے اگر کوئی خوش طبعی کے طور پر آپ کی مخالفت میں کوئی بات چھیڑتا تو آپ سادہ مزاجی کے باعث اس کو واقعی مخالفت سمجھ کر بہت غصے میں آتے اور اس سے جھگڑنا شروع کرتے اور ناراض ہو کر حضرت قبلہ گاہ قدس سرہٗ کی خدمت میں اسے پیش فرماتے الغرض آپ بہت خوبیوں کے مالک تھے آپ کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً۔

۱۷۔ شیخ تاج الدین صاحب چوٹیاری

ونہم ۱۷ جناب شیخ تاج الدین چوٹیاری سلمہ ربہٗ ہیں۔ آپ قصبہ چوٹیاری تعلقہ سانگھڑ ناره سندھ کے باشندے ہیں۔ آپ کے آباواجداد اہل علم وفضل اور صاحبِ کمال تھے آپ بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے اپنے بزرگوں کے قدم بقدم پیرو ہیں۔ آپ نے طریقت کی تلقین ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرہٗ سے حاصل کی تھی اور مروجہ علوم علماء وقت سے حاصل کئے ہیں۔ آپ کو اپنے بزرگوں کے ورثہ میں ایک عجیب قلمی کتب خانہ ملا ہے۔ آپ بڑے صاحبِ صلاحیت و ریاضت ہیں اور صدورجہ کے زاہد و متوکل ہیں۔ چند سال پیشتر آپ نے شادی کی تھی مگر آپ کی زوجہ محترمہ لاولد فوت ہوئی۔ آپ کا ایک بھائی نور الدین نامی ہے اور وہ بھی اہلِ صلاح کے طبقہ سے ہے۔ آپ بدن میں بالکل ضعیف ونحیف ہیں مگر چلنے پھرنے اور وظائف بندگی و عبادت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بالکل قوی اور باہمت ہیں اور تادم تحریر رسالہ ہذا ۱۳۳۶ھ حیات ہیں۔ سلمہ ربہ وابقاہ واوصلہ الی ما یتمناہ (افسوس کہ ۱۳۴۸ھ میں رحلت فرمائی)

انا للہ وانا الیہ راجعون ط

۵۔ شیخ حاجی میاں محمد احسان سندھی

ومنہم شاہ جناب شیخ حاجی میاں محمد احسان سندھی جرواری رحمہ ربہ ہیں۔ آپ قوم جروار بلوچ سے تھے اور اپنے موضع جروار تحصیل ٹنڈہ الہ یار ضلع حیدرآباد سندھ میں سکونت پذیر تھے۔ طریقت کی تلقین ہمارے حضرت والدماجد قدس سرہ سے حاصل کی تھی اور باعیال واطفال حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے۔ آپ زہد و ریاضت اور عبادات میں بڑے پختہ قدم تھے۔ آپ اپنے حضرت پیر و مرشد کی صحبت میں بہت رہتے تھے اور فیضیاب ہوتے تھے اور حضرت ممدوح بھی آپ کی اچھی خاطر و مدارات فرماتے آپ لکو زیادہ تر نہ سوتے اور نوافل میں مشغول رہتے۔ آپ صاف اور سفید سوتی کپڑے پہنتے تھے اور اپنے ہاتھ سے کپڑوں کو صاف کر کے دھوتے۔

حضرت والدماجد قبلہ قدس سرہ کے انتقال کے بعد بھی بدستور آتے جاتے اور مجھ جیسے ناکارہ انسان سے اسی طریق پر اخلاص فرماتے۔ رمضان شریف کی پہلی تاریخ سے لے کر دوئم شوال تک ٹنڈہ سائیں داد میں ہمارے ہاں آکر رہتے۔ تمام رمضان شریف اس اہتمام کے ساتھ گزارتے کہ قرآن شریف کے ختمات میں شرکت فرماتے اور تراویح کے بعد بھی اپنے معمولہ نوافل میں مشغول رہتے۔ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے آپ کی عمر ستر سال کے قریب پہنچ چکی تھی مگر وظائف عبادت میں بالکل سستی نہ فرماتے آپ کی بوڑھی زوجہ محترمہ بھی بفضلہ تعالیٰ ہر وقت بندگی اور عبادات میں مشغول رہتی زیادہ تر دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے اور پیرانہ سالی میں بھی ان کی آپس میں عجیب محبت تھی۔ اگر حاجی صاحب کو کہیں سے مٹھائی کا حصہ یا میوہ ملتا تو حاجیانی صاحبہ کے لئے رکھ چھوڑتے اور اسے پہنچا دیتے۔ اسی طرح اگر حاجیانی صاحبہ کو کہیں سے مٹھائی یا میوہ ملتا تو اپنی چادر میں باندھ کر حاجی صاحب کے لئے رکھ چھوڑتیں اور انہیں پہنچا تیں۔

ان دونوں پرہیزگاروں کی محبت کا عجیب اتفاق ہوا کہ دونوں اکٹھے بیمار ہوئے اور ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں وفات پائی۔ چنانچہ حاجی صاحب تھوڑا وقفہ پہلے فوت

ہوئے اور حاجیانی صاحبہ تھوڑی پیچھے فوت ہوئیں۔ اور دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

آپ کا بڑا فرزند حاجی علی محمد سلمہ ربہ اب پچاس سال کی عمر کو پہنچا ہوگا۔ اور وہ بھی صاحب صلاحیت ہے اگرچہ جروار قوم میں اہل سنت وجماعت کے لوگ کم ہیں مگر یہ ایسا متصلب سنی ہے کہ اپنے تینوں بیٹوں کے نام یہ رکھے۔ صدیق وعمر وعثمان اور اپنے پوتے کا نام حاجی رکھا۔ سندھ میں یہ نام رکھنا کسی دوسرے سے سننے میں نہیں آیا۔

حاجی محمد احسان صاحب مرحوم نے قریباً ستر سال کی عمر میں ۱۳۲۰ھ میں رحلت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا حلیہ بہ قد درمیانہ تھا۔ داڑھی سفید درمیانی لمبائی لئے ہوئے ناک بلند تھی۔ چہرہ نورانی سر منڈا ہوا۔ پیٹھ خمدار رحمہ ربہ۔

۱۹۔ شیخ مولانا شریف اللہ صاحب پشاوری

ومنہم[۱۹] جناب شیخ مولانا شریف اللہ صاحب پشاوری سلمہ ربہ ہیں آپ نے سلف صالحین کے طریقہ پر تنہائی اور گوشہ نشینی کو پسند کر کے دنیاوی تعلقات سے کنارہ کشی فرمائی ہے۔ اور کمال زہد وتقوی کے ساتھ ریاضات اور عبادات میں مشغول رہتے ہیں۔ ۱۳۳۱ھ میں چند رفیقوں کے ہمراہ مجھے ہندوستان کے اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت کے لئے سفر درپیش آیا۔ اجمیر شریف کی زیارت اور سیاحت آگرہ و دہلی کے بعد سرہند شریف کی آستان بوسی سے مشرف ہوتا ہوا واپسی میں لاہور پہنچا وہاں سے رفقاء نے تو سندھ کی طرف رجعت کی اور میں برخوردار عبد الستار جان اور ایک خان کے ساتھ حضرات اجداد کرام کے مزارات کی مرمت کے لئے پشاور چلا گیا۔ پشاور کے کابلی دروازہ کے سامنے شہر سے باہر حضرت جد امجد شیخ غلام محمد صاحب قدس سرہ اور ان کے فرزند شیخ غلام حسن صاحب قدس سرہ کے مرقد مبارک ہیں مدت سے غیر آباد رہنے کی وجہ سے نہایت مرمت طلب تھے۔ پشاور میں پہنچ کر حکام وقت کی اجازت سے مزارات شریف اور احاطہ کی مرمت کا کام شروع کرایا۔ احاطہ کے دروازے پر چھوٹی سی مسجد بھی بنوائی شروع کی تقریباً ایک مہینہ

وہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ شہر کے باشندوں سے خدا پرست لوگوں کی تلاش کی گئی۔ احباب میں سے میر مقبول شاہ (جو ایک صالح اور متدین شخص ہے) نے خبر دی کہ آج کے زمانہ میں حضرت شیخ شریف صاحب جیسا شخص پشاور میں دوسرا کوئی نہیں ہے۔ مگر افسوس کہ آزادی سے پھرتا رہتا ہے کبھی کبھی شہر میں آتا ہے۔ ورنہ زیادہ تر باہر رہتا ہے۔ اگر ہوتا تو آج آپ کی ملاقات کراتا۔ میں نے کہا۔ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّجْعَلَ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا۔ امید ہے خدا تعالیٰ بعد میں جلدی کوئی سبب بنا دے آخر کچھ دن گزرے تو ایک دن مغرب کے وقت میں اور وہی دوست میر مقبول شاہ حضرات اجداد کرام کی خانقاہ سے پا پیادہ اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ جو کہ کابلی دروازہ سے باہر واقع تھی۔ ناگہانی طور پر شاہ صاحب موصوف کی نظر حضرت مولوی شریف اللہ صاحب پر پڑی جو ایک گلی کے پچھلے حصہ میں منہ ڈھانپ کر جا رہے تھے تو کہنے لگے کہ حضرت مولوی صاحب یہ جا رہے ہیں اور یہ ایک عجیب اتفاق تھا کہ مولوی صاحب اس وقت شہر میں آئے ہیں میں نے شاہ صاحب کو کہا۔ کہ آپ ہمت کر کے جلدی جاویں اور کسی حیلہ و بہانہ سے مولوی صاحب کو ہماری قیام گاہ پر پہنچایئے اور ہم بھی جلدی پہنچتے ہیں۔ شاہ صاحب آپ کے پیچھے بھاگے اور اپنی حکمت عملی سے ہمارے مکان کے بالاخانے پر مولوی صاحب کو پہنچایا۔ اسی وقت ہم بھی پہنچے دیکھا تو مولوی صاحب دالان کے دروازہ پر ایک نکاری بانی چارپائی پر چادر سے منہ اوڑھے بیٹھے ہیں۔ جاتے ہی ہم نے السلام علیکم کہا۔ آپ نے منہ کھول کر مصافحہ کیا۔ نماز کا وقت تھا آپ نے شاہ صاحب کو کہا۔ کہ ہماری نماز کی جگہ کدھر ہوگی۔ شاہ صاحب نے کہا کہ چھت کے اوپر زمین صاف اور ہموار ہے اگر وہاں تشریف لے چلیں تو با جماعت فراغت سے نماز ہوگی۔ آپ چھت کے اوپر گئے اور ہم بھی دو تین آدمی پہنچے۔ آپ امام ہوئے اور تحریمہ کے وقت جماعت کی طرف منہ کر کے کہا کہ صف کو آپس میں ملاؤ اور پاؤں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کے کھڑے ہو جاؤ۔ ہم نے اگرچہ اپنی کوشش سے آپ کے کہنے کے مطابق کیا مگر مولوی صاحب کی تسلی نہ ہوئی۔

اور خود ہی آکر اپنے ہاتھوں سے مقتدیوں کے پیروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کے نماز شروع کی اور جس طرح انہوں نے چاہا نماز ختم کی اس کے بعد شاہ صاحب موصوف ہمارا تذکرہ درمیان میں لائے آپ متوجہ ہوئے اور نیچے آکر بالاخانہ کے اندر گئے۔ وہاں قالین بچھے ہوئے تھے۔ آپ ان پر نہ بیٹھے اور کہنے لگے کہ یہ اسراف اور اہلِ دنیا کا کام ہے۔ آخر ایک شطرنجی کے کنارے پر بیٹھ گئے صحبت و محبت فرمائی۔ اسباب دنیاوی کا ترک کرنا جو بعض سلف صالحین سے منقول ہے ان کا ذکر درمیان میں لائے اور دلچسپ نصیحتیں فرمائیں۔ اہلِ دنیا کی صحبت و الفت سے نفرت دلائی۔ ایک گھڑی بیٹھے کھانا حاضر ہوا تو اس میں سے تھوڑا کھایا پھر شاہ صاحب موصوف کے ساتھ چلے گئے بعد میں ان کا پتہ معلوم نہ ہو سکا۔

غرضیکہ مولوی صاحب کا عمل تقویٰ پر ہے۔ رخصت و اباحت کو عمل میں نہیں لاتے تھے۔ رسالہ ہذا کی تحریر کے وقت ۱۳۳۶ھ میں شاہ صاحب موصوف نے پوچھنے پر پشاور سے اطلاع دی ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک مولوی صاحب زندہ ہیں خدا تعالیٰ ان کو سلامت رکھے شاہ صاحب موصوف سے منقول ہے کہ ایک دن مولوی صاحب اپنے لئے خرچ کی ضرورت ہوئی۔ پشاور کا ایک مسلم تاجر مکان کی تعمیر کا کام کرا رہا تھا۔ معمار اور مزدور روزانہ کام کرتے تھے مولوی صاحب نے اپنے کو مزدوروں میں داخل کر کے کام کے ناظر سے کہا۔ کہ مجھ سے کام تو اچھی طرح نہیں ہو سکتا۔ آہستہ کام کروں گا۔ روزانہ دو آنے لوں گا۔ ناظر نے خوشی سے آپ کی شرط قبول کی کیونکہ دوسرے مزدور تو آٹھ آنے لیتے تھے۔ مولوی صاحب کام میں مشغول ہوئے اور نہایت پھرتی اور چالاکی سے کام کیا۔ عصر کے وقت جب تاجر مذکور مزدوروں کو پیسے دینے کے لئے آیا دیکھا تو مولوی صاحب گارے کی تغاری سر پہ اٹھائے ہوئے خاک آلودہ کام میں لگے ہوئے ہیں چونکہ تاجر مذکور آپ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ اور آپ کا بڑا معتقد تھا۔ اٹھا اور آپ کے پاؤں میں گر کر معافی چاہنے لگا۔ تو آپ نے فرمایا۔ معافی کی کیا ضرورت ہے میں نے اپنے پیٹ کے لئے مزدوری کی ہے مجھے دو آنے دیجئے۔ میں چلا جاؤں گا۔ تاجر نے بہت

سے روپے آپ کی خدمت میں حاضر کئے اور عرض کیا کہ آپ قبول فرمائیں. لیکن آپ نے
قبول نہ فرمائے اور رو رو آنسو لے کر چلے گئے. شاہ صاحب مذکور اور بھی بہت سی خوارق عادات
مولوی صاحب کی بیان کرتے تھے.

آپ کا حلیہ مبارک :- درمیانہ قد سفید چہرہ روشن پیشانی داڑھی درمیانی ہے آپ
اکثر خاموش رہتے ہیں. لوگوں سے اختلاط کم رکھتے ہیں. بازار از کوچہ میں داخل ہوتے وقت
چادر سے اپنے منہ کو چھپا لیتے ہیں. آپ کا تقلید کی نسبت حدیث پر زیادہ عمل ہے بہرحال
آپ کا وجود شریف آپ کے اسم جیسا ہی شریف اور اعجوبہ زمان ہے مگر افسوس یہ ہے. کہ
اس زمانہ میں خدا پرستوں کی قدر دانی نہیں ہے. بزرگی بزرگزادگی کے ساتھ رواج پا چکی ہے
اور پیری پیرزادگی کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ
الْعَظِیْمِ. آپ کو خدا تعالیٰ سلامت رکھے. سلمہ ربہ وابقاہ ووفقنا لما یحب
ربنا ویرضاہ.

۱۹ حضرت حاجی ملا نور محمد صاحب افغان

ومنہم جناب حضرت حاجی ملا نور محمد صاحب افغان قندہاری رحمہ ربہ ہیں آپ
نے طریقت کی تلقین ہمارے حضرت والد ماجد قدس سرہ سے حاصل کی تھی آپ قندھار
سے باہر مغربی طرف موضع سلوات میں سکونت پذیر تھے. اس جگہ آپ کا ایک چھوٹا سا
انگوری باغیچہ تھا جس میں انجیر کے بھی چند درخت تھے. اسی سے اپنے عیال واطفال کا گذارہ
کرتے تھے. آپ عبادات میں سخت تکلیفیں برداشت کرتے تھے. حضرت والد صاحب قبلہ
قدس سرہ کے مکانات اور مسجد شریف شہر قندہار کے بودرانی محلہ میں واقع ہیں. وہاں ہمیشہ
آپ آتے اور مکانات کی زیارت کر کے چلے جاتے اگرچہ حضور پرنور قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ اس وقت
باعیال واطفال سندھ یا حرمین شریفین میں رہتے تھے اگر حضور ممدوح کے برادرزادوں میں سے
کوئی صاحبزادہ وہاں ہوتا تو آپ کمال شوق وگریہ وزاری سے قدم بوسی فرماتے اور پھر واپس
گھر جاتے. انہی صاحبزادوں سے معلوم ہوا کہ حاجی نور محمد جس وقت شہر میں داخل ہوتے ہیں

تو پا برہنہ حاضر ہوتے تھے اور کہتے تھے کہ اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ پر جوتیوں سمیت آنا بے ادبی ہے
۱۳۲۷ھ میں جب نیاز مند سندھ سے پہلی دفعہ قندہار پہنچا تو حاجی صاحب موصوف
کمال شوق و ذوق اور گریہ و زاری سے ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ آپ کی شوق انگیز حکایات
اور حیرت خیز حرکات و درد آمیز گریہ و سکنات ایک عجیب منظر دکھلاتی تھیں۔ آپ کی طبع پر
گریہ اس قدر غالب تھا۔ کہ اکثر وقت آپ کی آنکھ گریہ آلود رہتی۔ جتنے دن میرا وہاں قیام رہا۔
ہمیشہ اپنے باغیچے سے انگور اور انجیر جس قدر مل سکتے پہنچا دیتے تھے۔ بہرحال آپ عجیب استعداد
کے مالک تھے اور بہت عبادت گزاری کی توفیق آپ کو نصیب تھی۔

آپ کا حلیہ مبارک۔ درمیانہ قد۔ نورانی چہرہ۔ داڑھی خوب صورت تھی۔ آپ کی عمر
تقریباً پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان تھی ۱۳۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ رحمہ ربہ۔

ومنہم جناب مولٰنا حاجی ملا سلطان صاحب قندہاری افغانی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ
نے بھی طریقت کی تلقین ہمارے قبلگاہ حضرت والد صاحب قدس سرہ سے حاصل کی تھی۔
ان کے تائب ہونے اور رجوع الی اللہ تعالیٰ ہونے کی حکایت یہ ہے کہ آپ بارک زئی
افغان ہیں اور خود بیان کرتے تھے۔ کہ میرے طفولیت کے زمانہ میں پٹھانوں کی ایک قوم نے
قدیمی دشمنی کے باعث ہم پر حملہ کر کے میرے باپ اور چچا کو قتل کیا۔ اور مجھے میری والدہ
گود میں چھپا کر بھاگ نکلی۔ اور کسی دوسرے علاقے میں جا کر سکونت پذیر ہوئے جب میری عمر
بارہ سال کو پہنچی تو علم کی طلب میں نکلا قندھار اور اس کے ارد گرد چار پانچ سال طالب علمی میں
گزارے فارسی اور علم فقہ کی کتابیں میں نے پڑھیں طالب علمی کے زمانہ میں جو پیسہ ہاتھ آتا
جمع کر کے سلاح و ہتھیار خرید کرتا۔ چنانچہ جوانی کے زمانے تک میرے پاس بندوق اور طمنچہ
اور تلوار موجود ہو گئے۔ اور باپ کے قاتلوں سے انتقام لینا شروع کیا۔ کبھی اکیلا اور کبھی ایک
دو ساتھی ہمراہ لے کر رات کو ان پر حملہ آور ہوتا۔ ان میں سے جو میرے باپ کے قتل میں شریک تھے
کبھی ایک کو اور کبھی دو کو قتل کرتا تھا اور پھر بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپتا۔ آخر سات آدمیوں کو

۱۲۔ مولٰنا حاجی ملا سلطان صاحب

ہیں نے قتل کیا اور اس قوم پر میرا ایسا رعب اور خوف چھا گیا کہ وہ رات و دن بے آرام رہتی۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے افغانی رسم کے مطابق چند سیدوں اور پیرزادوں کو راتوں رات میرے پاس صلح کرنے کے واسطے لائے مصلحت وقت کے لحاظ سے میں نے ان سے صلح کر لی اور قتل و غارت سے باز آیا۔ مگر پھر میرے دل میں یہ خوف غالب آیا کہ جن کو میں نے قتل کیا ہے مبادا ان میں کوئی بے گناہ قتل کیا گیا ہو اس وجہ سے زار زار روتا ہوا بزرگان وقت کے دروازوں پر پھرتا رہتا۔ ایک دن علاقہ معروف (جو قندھار سے چار منزلیں مشرقی جانب ہے) کے ایک بزرگ شخص نے مجھ سے کہا کہ تیری توبہ فلانے حضرت صاحب کے ہاتھ پر ہو گی یعنی ہمارے حضرت والد صاحب قدس سرہٗ کا نام لے کر کہا۔ کہ وہ خدا تعالیٰ کے ولی ہیں جو سرخ لباس میں رہتے ہیں (سرخ لباس سے مراد بغض اور دنیاوی تعلقات ہیں) اور اس نے یہ بھی کہا کہ میں نے آپ کو بظاہر نہیں دیکھا۔ مگر آپ کا نام و نشان اور حلیہ مبارک صاف صاف مجھے بتا دیا تھا اور جب میں حضرت مرشد صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اشارۃً کہا کہ فلاں بزرگ کے پتہ دینے پر آیا ہے الغرض آپ نے مجھے تلقین فرمائی اور قلبی ذکر میں مشغول فرمایا۔ انتہی بلفظہٖ۔

پھر جس دن سے حاجی ملا سلطان صاحب موصوف نے حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ کے مبارک ہاتھ پر بیعت توبہ فرمائی زندگی کے آخری ایام تک سفر و حضر میں حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں رہے اور طرح طرح کی تکالیف اٹھا کر انتہائی جان بازی کا ثبوت دیتے رہے۔ موصوف کا گھر حضرت والد صاحب قدس سرہ کے مکان واقع قندھار سے آٹھ میل کے فاصلہ پر مغربی جانب علاقہ ارغسان کے اتان زئی قبیلہ میں تھا۔ وہاں سے بڑے سوز و گداز اور گریہ و شوق سے پابرہنہ دوڑتے ہوئے حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے اور کچھ دن قیام کرتے مگر گریہ و نالہ سے بالکل آرام نہ کرتے جب حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ اس کو گھر جانے کے لئے حکم فرماتے تو مجبوراً واپس جاتے

ایک سو دو میل تک اپنے مرشد کی طرف منہ کر کے پس پا چلتے اور پیر و مرشد کے آداب کی بجا آوری جس قدر اس شخص میں دیکھی گئی دوسرے کسی شخص میں متقدمین کی تاریخ میں بھی نہیں ملتی۔ یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ آپ اپنے گھر میں یا دوسرے ملک میں کبھی بھی اپنے برحق مرشد کی قیام گاہ کی طرف سونے کے وقت پاؤں پھیلا کر نہ سوتے اور نہ کبھی پیٹھ کر کے بیٹھتے۔

جب ۱۲۹۶ھ میں حضرت قبلہ گاہ قدس سرہ با عیال و اطفال قندھار سے عازم حرمین شریفین ہوئے تو ملا سلطان صاحب بھی ہمرکاب تھے اور تین سال تک ملک سندھ اور حجاز مقدس میں آپ کی خدمتِ اقدس میں رہے اور آپ بھی موصوف کو اپنی خاص عنایات سے مفتخر فرماتے اور بعض اوقات ملا سلطان صاحب آپ سے کتاب حصن حصین یا طریقہ محمدیہ سبقاً پڑھتے اور مجذوبانہ انداز میں زندگی بسر کرتے۔ حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ ملا سلطان صاحب کی مجنونانہ وضع کو پسند فرماتے اور اس کے عاشقانہ انداز کو سہتے۔ بعض وقت اس کے ساتھ خوش طبعی فرماتے اور اس کی سادہ مزاجی کو بہت پسند فرماتے۔

ملا سلطان صاحب کی عادت تھی کہ وہ کسی ہندو کو حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کے حضور میں آنے نہ دیتے۔ اور باہر سے اسے سخت کلامی سے روک دیتے۔ اگر اتفاق سے کوئی ہندو قدمبوسی کے لئے حضور میں پہنچ جاتا تو آپ کے حضور میں اسے کچھ نہ کہتے جب وہ باہر چلا جاتا پھر اس کے پیچھے بری طرح پڑتے اور اسے سخت ایذا دیتے اگر وہ شخص ان کے ہاتھ سے نکل جاتا تو کسی دوسرے ہندو کو جہاں پاتے مارتے پیٹتے۔ اور کہتے کہ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ ناپاک ہندو حضور کے پاؤں پر ہاتھ رکھے۔ اگرچہ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ ان کو بہت منع فرماتے اور سمجھاتے کہ کسی کو ایذا دینا نہ چاہیئے مگر وہ بے اختیار ہو کر ایسا کام کرتے غرضیکہ موصوف صحبت کے ان ایام کو بہت غنیمت سمجھتے تھے گویا آپ نے سچی محبت اور عشق کا وہ ولولہ جو عالمِ دنیا سے ناپید ہو چکا تھا دوبارہ تازہ کر دیا جان و مال مرشد پر قربان کرنے کو سعادتِ دارین

سمجھتے تھے۔۔۔ جب ۱۳۱۵ھ ماہ ذیقعدہ کی دہم تاریخ بروز جمعہ حضور انور قبلہ گاہ قدس سرہ کا انتقال ہوا۔ تو کچھ عرصہ بعد موصوف افغانستان سے آئے تو اپنے برحق مرشد کے فراق میں ایسے جان سوز گریہ وزاری کے ساتھ خاک پر تڑپے اور لوٹے کہ تمام احباب و متعلقین کے درد فراق کو تازہ کر دیا۔ کچھ عرصہ رہ کر اپنے وطن کو واپس ہوئے اور قریبی عرصہ میں وہاں انتقال فرمایا۔ اور اپنے محبوب ترین مرشد کے پیچھے پیچھے سفر آخرت اختیار کیا۔

حلیہ مبارک:- درمیانہ قد، سفید چہرا۔ فراخ پیشانی، خوبصورت منہ اور دانت، داڑھی درمیانی سر منڈا ہوا۔ نورانی چہرہ۔ لباس سادہ تھا۔ رحمہ ربہ رحمۃ واسعۃ۔

۲۲ حضرت حافظ حاجی میاں ابوبکر صاحب

ومنہم جناب حضرت حافظ حاجی میاں ابوبکر صاحب سیوانی رحمہ ربہ ہیں آپ نے طریقت کی تلقین نیاز مند کے حضرت جدامجد قدس سرہ سے حاصل کی تھی آخر عمر میں آپ کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ حیدرآباد سندھ کے محلہ ڈوڈگران کی مسجد میں رہتے تھے قرآن مجید یاد تھا۔ محلے کے لڑکوں کو پڑھاتے تھے۔ آپ نے ساری عمر تجرد اور ترک دنیا میں گزاری۔ عبادات میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ خداتعالیٰ کی شان ہے نابینا ہونے کے باوجود بواسیر وغیرہ امراض میں مبتلا تھے۔ اور نہایت صابر و شاکر تھے۔ بار بار نیا وضو کرتے تھے۔ کشف میں آپ کو بڑا کمال حاصل تھا۔ حافظ صالح نجار حیدرآبادی نے بیان کیا۔ کہ میں نے کئی دفعہ آزمایا تھا کہ میں بالکل آہستگی کے ساتھ مسجد کے بیرونی دروازہ سے اندر داخل ہو کر مٹکوں سے وضو کے لئے پانی لیتا۔ اور کوزہ کو بھرتا تو حافظ صاحب اندرون مسجد سے پکارتے کہ حافظ صالح پہلے ہاتھ دھو کر پھر مٹکوں سے وضو کے لئے پانی لینا۔ اور اسی طرح بہشتی کو پکار کر کہتے کہ پہلے مٹکوں کو صاف کرکے پھر نیا پانی ڈالنا۔ اسی طرح ان کے کشف کی متواتر حکایتیں منقول ہیں۔

جن دنوں حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ قصبہ ٹنگھڑ میں سکونت فرماتے تھے۔ تو حافظ ابوبکر صاحب نے دو تین دفعہ تمام گھر کا سامان و اسباب نکال کر حضور کی خدمت میں نذر کیا اور آخر عمر تک مجرد رہے۔ آپ بہت غربامن تھے۔ بدن بھی نہایت ضعیف تھا۔ پھر بھی عبادت

کی بجا آوری اور امراض مختلفہ کے ہوتے ہوئے بدن اور لباس میں پاکیزگی کے لئے بہت
احتیاط فرماتے تھے اور کمال درجے کے پابند شریعت تھے۔ کبھی کبھی اونٹ پر سوار ہو کر حضور
انور کی خدمت میں ٹنکوڑہ جو حیدرآباد سندھ سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر ہے، حاضر ہوتے اور
نہایت جانفشانی فرماتے۔ حق تعالیٰ نے آپ کو صلاح و فلاح کی توفیق عطا فرمائی تھی حضور
کے انتقال سے تین سال پہلے ۱۳۱۲ھ میں آپ نے رحلت فرمائی۔

حلیہ مبارک:۔ ضعیف البدن۔ قد خمدار تھا۔ لباس پاکیزہ خوبصورت پہنتے تھے
داڑھی خوبصورت۔ سر منڈا ہوا۔ جو انہیں دیکھتا محبت کرتا۔ رحمہ ربہ رحمۃً واسعۃً

۳۲- شیخ حاجی صاحب افغان

ومنہم جناب شیخ حاجی صاحب افغان مکی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ توخی افغان غلزئی تھے
آپ اکثر مکہ معظمہ میں رہے۔ بڑے ریاضت کش تھے۔ مقبول خلائق ہونے کے باعث آپ
کی طرف لوگوں کی رجعت بہت تھی۔ خصوصاً افغان قوم اکثر آپ کے پاس آتی تھی۔ آپ کو
جو کچھ مالی فتوحات حاصل ہوتیں وہ سب حرم محترم کے فقرا اور مساکین پر خرچ فرماتے۔ اور
آئندہ کے لئے کچھ بھی پس انداز نہ فرماتے۔ آپ کی اکثر عادت تھی کہ مالی فتوحات سے دنبوں کے
دنب قصابوں سے خرید کر کے پکاتے اور مساکین حرم خصوصاً افغان قوم کو کھلاتے۔ سال میں
ایک بار مسکینوں کی جماعت کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ منورہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ والتسلیمات
والتحیات) کی زیارت کے لئے جاتے اور چند دن آرام سے اس مقدس بارگاہ میں رہ کر پھر اسی
جماعت کو اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لاتے اور آتے جاتے وقت حجاز مقدس کے بدوی لوگ آپ کی
مہمانیاں کرتے۔ آپ اور آپ کی جماعت کی بڑی عزت و تعظیم کرتے۔ ہمیشہ مدینہ منورہ کو پیادہ
جاتے اور آتے وقت کبھی بھی سواری قبول نہ فرماتے۔ تقریباً تیس سال مکہ شریف میں رہے
ہمیشہ آپ کی یہی عادت رہی۔ رات کو اکثر طواف کعبہ شریف میں مشغول رہتے اور عبادات
کی سخت تکلیفیں اٹھاتے۔ سفر او حضر میں ہمیشہ روزہ رکھتے۔ علوم مروجہ سے تھوڑا بہت
واقف تھے اور کسی کے ساتھ بغیر ضرورت کے گفتگو نہ کرتے اکثر اوقات خاموش رہتے۔ جتنا

وقت حرم شریف کے پڑوسی رہے مجرد رہے زن و فرزند کی قید سے آزاد رہے۔ مسکینوں
کے ساتھ حرم شریف میں رہتے اور حرم شریف کے مسکینوں کے جائے پناہ تھے۔ آپ کے
مبارک نام کی اطلاع مجھ کو نہ مل سکی اور حاجی صاحب کے نام ہی سے مشہور تھے۔ لوگ آپ
کی کرامات بیان کرتے تھے۔ تفصیل زیادہ زمانہ گزرنے کے باعث یاد نہیں رہی۔

آپ کا حلیہ مبارک:۔ درمیانہ قد۔ سفید سادہ افغانی لباس۔ گورا رنگ۔ عبادات کا
اثر آپ کی پیشانی سے ظاہر تھا جو شخص ظاہراً آپ کو دیکھتا اس پر ہیبت چھا جاتی اور جو آپ سے
اختلاط کرتا آپ کو اپنا محبوب بنا لیتا۔ ۱۳۰۳ھ میں حرم محترم مکی زادہا اللہ تعالیٰ شرفاً و
تعظیماً میں خدا تعالیٰ کی رحمت سے جا ملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۲۴۔ جناب شیخ مولوی حضرت ولی النبی صاحب

و منہم مولینا جناب شیخ مولوی حضرت ولی النبی صاحب مجددی رامپوری
رحمہ ربہ ہیں۔ آپ نسب میں مجددی و فاروقی ہیں طریقہ نقشبندیہ کی تلقین آپ نے حضرت
احمد سعید صاحب مجددی دہلوی سے حاصل کی۔ اور حضرت احمد سعید صاحب حضرت شاہ صاحب[1]
دہلوی کے خلیفہ ہیں جس سال نیازمند حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں
حضرت جد امجد قدس سرہ کی زیارت کے لئے سرہند شریف پہنچا۔ اور پھر حضور حضرت خواجہ
باقی باللہ صاحب المشہور بہ خواجہ بیرنگ کی زیارت کے لئے دہلی تشریف لے گئے تھے اس
وقت سال ۱۲۹۹ھ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی خانقاہ پر حضرت والد صاحب
اور آپ کی ملاقات ہوئی۔ اسی مجلس میں نیازمند بھی حاضر تھا۔ چنانچہ آپ کی دست بوسی
سے مشرف ہوا۔ آپ اس وقت بہت معمر اور پیرسن تھے۔ اور بہت ہی ضعیف تھے نہایت
ہی خلیق متواضع اور مرتاض تھے۔ آپ کی سکونت شہر رامپور میں تھی مگر حضرات قدس سرہم
کے سالانہ عرس یا کسی دوسرے سبب سے دہلی تشریف لائے تھے۔ اور حسن اتفاق
سے آپ کی ملاقات حضرت والد صاحب قدس سرہ سے وہیں پر ہوئی تھی۔ اس وقت آپ
کے ارشاد کا بہت عام چرچا تھا۔ بہت لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر فیضیاب

[1] یعنی شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ

ہوئے تھے۔ آپ کو شریعت اور طریقت پر کمال درجے کی استقامت حاصل تھی۔ سلف صالحین کے طریقے کو از سر نو تازہ کیا تھا۔ آپ کا علمی پایہ مولوی کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ فقط اسی ایک مجلس میں نیاز مند کو ملاقات کا موقعہ حاصل ہوا۔

حلیہ مبارک :- قد لمبا تھا بیچے خمدار۔ داڑھی مبارک چھوٹی۔ آنکھیں اندر میں گھسی ہوئی ہندوستان کے صوفیا کرام کا مروجہ لباس پہنتے تھے۔ اس وقت قریبی زمانہ میں آپ کے انتقال کی خبر مشہور ہوگئی ہے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ آپ کے انتقال کا سال یقیناً مجھے معلوم نہ ہو سکا۔

۱۵۔ شیخ حاجی سلیمان ٹکھڑائی

ومنہم جناب شیخ حاجی سلیمان ٹکھڑائی رحمہ ربہ ہیں۔ ٹکھڑ ضلع حیدرآباد سندھ کے ایک قصبہ کا نام ہے۔ حیدرآباد سے آٹھ کوس جنوب کی طرف واقع ہے۔ یہاں کے رئیس و زمیندار ہیں جن کی پُرخلوص کوشش اور کشش سے حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ باعیال و اطفال زمانہ سفر عربستان ۱۳۰۰ھ سے دو سال قبل اور ۱۳۰۴ھ میں حجاز مقدس کی واپسی کے بعد دس سال یہاں سکونت فرمائی۔ تا آنکہ ۱۳۱۵ھ میں اسی جگہ آپ کا انتقال ہوا۔ اور اسی قصبہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں آپ کا مرقد منور بنا۔

حاجی سلیمان صاحب موصوف اسی قصبہ میں سکونت پذیر تھے اور دھوبی کا کام کرتے تھے۔ عیال و اطفال کی پرورش بھی اسی کام کے ذریعہ کرتے تھے۔ آپ نہایت قناعت اور عبادت گزار تھے سارا دن دھوبی کے کام کے ذریعے رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور ساری رات مسجد شریف میں حضرت رب العزت جل شانہ کی عبادت کرتے۔ اگرچہ ظاہری علوم سے بہرہ ور نہ تھے مگر عنایات الٰہی جل شانہ شامل تھیں۔ جو موصوف کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ آپ اکثر رات کو نیند یا آرام نہ کرتے۔ اگر بشری ضرورت کے لحاظ سے آپ کو نیند آہی جاتی تو بیٹھے بیٹھے سر کو گھٹنوں پر رکھ کر مراقبہ کی صورت میں نیند کر لیتے۔ اور استغراق کی حالت میں رہتے۔ جس مسجد میں حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ نماز ادا فرماتے تھے حاجی صاحب بھی اکثر

نماز وہاں آکر پڑھتے اور رات کو بھی اسی مسجد میں بعبادت الٰہی مشغول رہتے۔ آپ کی طبع پر خاموشی غالب تھی جب آپ کا سانحہ ارتحال ۱۳۱۲ھ میں واقع ہوا، تو حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہٗ آپ کے آخری وقت میں تشریف لائے اور آپ کو کلمہ شہادت کی تلقین فرمائی۔

ایک معتمد شخص سے منقول ہے کہ حضور انور قدس سرہ نے آخری وقت میں حاجی سلیمان صاحب مرحوم کے کان میں فرمایا۔ کہ میری طرف سے سید میاں محمد شاہ کو سلام پہنچانا۔ سید میاں محمد شاہ صاحب مرحوم قصبہ ٹکھڑ کے جامع الکمالات ومنبع الفیوضات شخص تھے جو ۱۳۰۹ھ میں ذات الجنب کے باعث انتقال فرما گئے۔ سید موصوف کو حضرت والد صاحب قبلہ قدس سرہ سے کمال عشق اور اخلاص تھا۔ اور موصوف ایک سید شریف النسب عالم عامل طبیب وحاذق شاعر ماہر عابد وزاہد اور فنون خوشنویسی اور انگریزی دانی، لطیفہ گوئی میں لاثانی تھے۔ موصوف نے طریقت کی تلقین ہمارے حضرت جدامجد صاحب قدس سرہٗ سے حاصل کی تھی جس سال حضرت والد صاحب قدس سرہ حرمین شریفین کے خیال سے باعیال واطفال سندھ میں تشریف لائے تھے تو شاہ صاحب موصوف کمال محبت کی وجہ سے شہر بھاگ ناڑی ریاست قلات بلوچستان میں آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوئے تھے جو قصبہ ٹکھڑ سے قریباً تین سو میل دور ہے اور حضور انور کا ٹکھڑ میں مستقل سکونت فرمانا بھی شاہ صاحب مرحوم ہی کی کوشش سے تھا۔

حاجی سلیمان صاحب موصوف کا حلیہ مبارک۔ درمیانہ قد لمبائی کی طرف مائل تھا سانولہ رنگ۔ باوجود سانولے رنگ کے عبادت کی نورانیت آپ کے چہرہ سے ظاہر تھی۔ داڑھی بالکل تھوڑی صرف چند سفید بال زنخدان پر تھے۔ کشادہ پیشانی سر منڈا ہوا، رحمۃ اللہ علیہ۔

ومنہم صوفی جناب شیخ ملا اسماعیل اعظم صاحب افغان علی زئی معروفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ علاقہ معروف کے باشندے تھے جو قندھار سے چار منزل کے فاصلہ پر مشرقی جانب واقع ہے۔ آپ نے طریقہ نقشبندیہ نیاز مند کے حضرت جدامجد قدس سرہٗ سے سیکھا۔

اور سب منازل سلوک آپ ہی کی توجہ سے طے فرمائی تھیں۔ خرقۂ خلافت سے مشرف تھے
اور بہت لوگوں نے بھی اپنی لیاقت اور استعداد کے مطابق آپ سے فیوض باطنی حاصل کئے تھے
نیاز مند نے اپنے بچپن کے زمانے میں آپ کو دیکھا تھا اور سورہ انا انزلناہ فی لیلۃ
القدر آپ ہی سے سبقاً پڑھی تھی آپ کو حضرت والد صاحب قدس سرہ سے کمال محبت
تھی۔ اور اکثر آپ کی ملاقات کے لئے تشریف لاتے تھے اور عجیب صحبتیں رہتی تھیں اور حضرت
والد صاحب قبلہ مرحوم سے آپ کی عمر زیادہ تھی۔ کانوں سے بہرے تھے۔ بہت تکلیف کے
ساتھ بات سن سکتے تھے۔ حضرت والد صاحب مرحوم آپ کی بہت عزت اور تعظیم فرماتے تھے۔

آپ نے اپنی عمر عزیز کو اوراد و وظائف و مراقبات سلوک میں مصروف کر رکھا تھا۔ آپ
بڑے صاحب ہیبت اور جلال تھے۔ آپ کے ایک فرزند سے جو حضرت والد صاحب علیہ الرحمۃ
کے ہم عمر تھے نیاز مند نے فارسی کی چند درسی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملا باز محمد ان کا نام تھا۔ آپ چند
وجوہات زمانہ کی بنا پر اس سے ناراض تھے۔ ملا باز محمد صاحب والد صاحب کی ناراضگی کے
باعث سخت پریشان تھے اور زمانہ کی تکلیفات کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ آپ کے ان کے
علاوہ چار لڑکے اور بھی تھے۔ جن میں سے ایک ملا نظر محمد صاحب ہیں جو تا دم تحریر بقید حیات
ہیں۔ آپ علمی و عملی کمالات سے آراستہ ہیں۔ اور طریقت کی تلقین حضرت والد صاحب
قدس سرہ سے حاصل کی ہے۔

آپ کا حلیہ مبارک۔ لمبا قد۔ قوی البدن۔ پشت خمدار۔ داڑھی مبارک گھنی۔ جو حنا سے
خضاب شدہ تھی۔ ناک بلند۔ چہرہ کشادہ۔ جن دنوں میں نیاز مند نے آپ کو دیکھا تھا۔ اس
وقت آپ کی عمر اسی اور نوے سال کے درمیان تھی۔ آپ نے ۱۲۸۶ھ میں انتقال فرمایا اور
اپنے وطن معروف میں مدفون ہوئے۔ رحمہ ربہ رحمۃً واسعۃً۔

ومنہم جناب مولانا شیخ ملا نجم الدین صاحب افغان علی زئی رحمہ ربہ ہیں۔ آپ بھی علاقہ
معروف افغانستان کے باشندے تھے! افغانی اصطلاح میں ناموں کو مصغر کرنے کی وجہ سے

حالاتِ مولانا شیخ نجم الدین صاحب افغان علی زئی

سے آپ ملا نجو کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کی طبع مجذوبی مائل تھی۔ آپ اکثر ہوشیاری کی حالت میں رہتے تھے۔ تارک الدنیا اور تھوڑے سے ضروری روزینہ پر قانع تھے۔ لباس فقط اس قدر پہنتے تھے۔ جس سے ستر عورت ہو سکے۔ تھوڑی سی روٹی پر گزارہ کرتے۔ طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں ہوش کامل تھا۔ اس کے بعد اس عملی درجے کو پہنچے جو علم پڑھنے کا مقصد ہے اور اس مقولہ کے مصداق بنے من عمل بما علم علمہ اللہ تعالیٰ مالم یعلم۔

مجذوبی کی حالت میں بہت سے غیبی راز آپ سے ظاہر ہوتے۔ پھر جب ہوش میں آتے اور ان حالات سے خبردار ہوتے تو استغفار پڑھتے اور لوگوں سے کہتے بابا دیوانے کی باتوں پر کیا اعتبار ہے۔ ایک دن اپنی گذران کے لئے فصل گندم کی کٹائی کر رہے تھے۔ اور اپنے کپڑے ایک دیوار کے پیچھے اتار رکھے تھے ایک شخص یہ دیکھ کر کہ کپڑے پڑے ہیں اور کوئی آدمی اس جگہ نہیں کپڑے اٹھانے کو تیار ہوا۔ تو ملا نجو صاحب دیوار کے پیچھے سے پکار کر کہنے لگے کہ بھائی ان کے سوا دوسرا کوئی کپڑا میرے پاس نہیں ہے مہربانی کر کے ان کو چھوڑ دے وہ شخص یہ غیبی آواز سن کر ڈر کے مارے بھاگ گیا۔ کبھی کبھی اپنے ساتھ ایسی باتیں کرتے جو کسی کی سمجھ میں نہ آتیں اس مجذوبی حالت کے ہوتے ہوئے وظائف بندگی و عبادت پر کلی استقامت تھی۔ نوافل بہت پڑھتے تھے۔

حلیہ مبارک :- درمیانہ قد۔ ضعیف البدن۔ داڑھی تھوڑی سی سادہ لباس اکثر اوقات میلا کچیلا دیکھا جاتا۔ نیاز مند کے ایام بچپن میں آپ نے ۱۲۹۰ھ میں انتقال فرمایا۔ اور ایک لڑکا وارث چھوڑا جس کا نام حکمت تھا۔ جس نے ہمارے حضرت والد صاحب قدس سرہ کی خدمت میں ساری عمر بسر کی۔ جب ۱۳۰۰ھ میں آپ باعیال و اطفال حرمین شریفین تشریف لے گئے تو حکمت مذکور آپ کی خدمت میں تھا۔ اور حسب مقولہ الولد سر لابیہ اپنے باپ جیسا مجذوب الحال سادہ مزاج تھا۔ ۱۳۰۰ھ میں اپنے اصلی وطن معروف میں انتقال کیا۔ اور وہیں مدفون ہوا۔ رحمہما ربہما رحمۃ واسعۃ۔

ومنہم حضرت جناب مولوی میاں عطاء اللہ صاحب سندھی سکھری ہیں۔ آپ
عبادات و ریاضات و زہد پر موفق ہیں علوم مروجہ میں اچھا ملکہ حاصل ہے۔ آپ مولینا عبدالرحمٰن
صاحب مرحوم سکھری کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔ جن کا ذکر اس رسالہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ غرضیکہ مولوی
عطاء اللہ صاحب ایک شجرۂ طیبہ کی شاخ ہیں۔

۱۳۲۷ھ گرمی کے ایام میں اتفاق سے میری منزل سکھر میں ہوئی۔ تو مولوی صاحب
یہ سن کر بے اختیارانہ بے تکلفانہ انداز میں ملاقات کے لئے تشریف لائے ایک سیہ رنگ
سادہ تہبند چھوٹا سا بندھا ہوا اور ایک چادر اسی وضع کی کندھوں پر رکھی ہوئی تھی۔ میں نے کہا
مولوی صاحب یہ کیا حالت ہے۔ تو آپ نے جامی کی یہ رباعی جواب میں پڑھی ؎

لنگکے زیر لنگکے بالا — نے غم دزد و نے غم کالا
ایں قدر بس بود جامی را — رندکے مست و لا اُبالی را

تا وقت تحریر رسالہ ہذا قید حیات میں ہیں۔ متع المسلمین حیاتہ۔

ومنہم صوفی شیخ حاجی طیب میمن تھے۔ جیسا آپ کا نام طیب تھا۔ ویسا آپ کا
کام طیب تھا۔ بہت سے مرضوں میں مبتلا تھے۔ نہایت صابر و شاکر تھے۔ عمر عزیز کا زیادہ
حصہ تو حضرت والد قبلہگاہ قدس سرہ کی خدمت میں گزارا تھا۔ تھوڑا زمانہ نیازمند کی صحبت
میں آخر تک پہنچایا تقریباً بتیس سال کمال جان نثاری کے ساتھ اپنے مرشد کی درگاہ پر خادم
رہے اکثر ایام صائم النہار اور قائم اللیل رہتے تھے۔ حجاز مقدس کا پہلا سفر حضرت والد مرحوم
کی خدمت میں گزارا بڑی بڑی مشکیں پانی کی بھر کر دروازہ پر پہنچاتے تھے۔ دوسرا سفر حرمین شریفین
۱۳۲۰ھ میں نیازمند کی رفاقت میں رہے۔

آپ بہت مرتاض تھے شدت گرمی سندھ میں دن کو روزہ رکھتے اور ہل چلاتے دوسری
سخت تکلیف کی خدمتیں بجا لاتے اور رات کو بندگی حق تعالیٰ میں مشغول رہتے آپ کے وجود
سے بے اختیار آوازیں نکلتیں کوئی حکیم ان کا علاج نہ کرسکتا۔

۲۹۔ حاجی طیب میمن

چار پانچ بکریاں آپ کی ملکیت میں تھیں۔ ان کا دودھ کچھ آپ پیتے اور باقی کو فروخت کر کے اپنے لئے سوتی کپڑے حاصل کرتے۔ نہایت سادہ طبع خوش خلق خادم خلق تھے۔ اگر کبھی سفر سندھ میں کسی دوست کی جگہ پر جاتے تو جنگل سے اس کے لئے لکڑی جمع کر کے لاتے یا اپنے میزبان کے لئے چکی پیس کر آٹا مہیا کرتے۔ غرضیکہ آپ ایک اعجوبہ زمان تھے اوائل عمر میں شادی کی تھی کہ انہیں دنوں میں آپ کی اہلیہ فوت ہو گئی۔ پھر ساری عمر شادی کا خیال نہ کیا۔ اور عیال سے مجرد، دنیا سے مجرد، نفس امارہ کے مکروں سے مجرد رہ کر سن ۱۳۲۰ھ میں مرض بواسیر سے ٹنڈو سائیں داد میں نیاز مند کے مہمان خانہ میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ رحمہ ربہ رحمۃً واسعۃً۔

وہ عجائبات قدرت جو مؤلف رسالہ کی نظر سے گذرے ہیں

چونکہ اس رسالہ میں اپنے چشم دید واقعات کا ذکر لازم ٹھہرایا گیا ہے اور سنی ہوئی باتوں کو دخل نہیں دیا گیا مگر ضمناً کہیں کوئی بات آگئی ہو تو مضائقہ نہیں۔ اس لئے اصحاب بصیرت کی عبرت کے لئے عجائبات قدرت قدیر جلشانہ کے چشم دید واقعات لکھے جاتے ہیں:۔

عجیبہ یکم۔ سن ۱۲۸۷ھ میں جب کہ میری عمر نو سال کی تھی اور حضرت والد ماجد قبلہ کے سایۂ عاطفت میں شہر قندھار میں ابتدائی تعلیم پاتا تھا۔ محمد امین افغان جس کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی۔ اور حضرت والد ماجد قدس سرہ کی گائیں چرانے پر مقرر تھا۔ قندھار کے باہر آدھ میل کے فاصلہ پر ایک بڑا قبرستان ہے جہاں ایک احاطہ کے اندر ہمارے اجداد کرام (میں سے حد سوم حضرت میر غلام النبی رحمۃ اللہ علیہ تک) کے مزارات ہیں۔ اور مزارات کے گرداگرد احاطہ کے اندر چھوٹا سا باغیچہ ہے جہاں توت کے درخت اور گل چنبیلی وغیرہ سبزہ زار ہے۔ ایک دن باغیچہ کے اندر محمد امین مذکور دو تین گائیں چرا رہا تھا۔ اسے ایک مزار پر چڑیا سے کچھ بڑا ایک پرندہ خاکستری رنگ

کا نظر آیا۔ جو اپنے سر کو اپنی طاقت کے مطابق اوپر کو کرکے پھر جلدی سے اپنی چونچ کو زمین پر مارتا تھا۔ کچھ وقت دور سے اس پرندکو حیرت کی نظر سے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کے نزدیک ہوتا گیا جب بالکل نزدیک ہونے پر بھی وہ پرندہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوا اور بدستور اپنے کام میں مشغول رہا تو محمد امین نے جرأت کرکے اسے پکڑ لیا۔ اور لاکر حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اس عجیب صورت اور غریب سیرت پرند کے دیکھنے سے ہم سب حیرت میں رہے خانگی چڑیا سے کچھ بڑا اور صاف خاکستری رنگ کا تھا جس میں کوئی بھی دوسرا رنگ نہ تھا۔ البتہ اس کی گردن بدن کے لحاظ سے کچھ بڑی تھی۔ بس اس کا یہی شغل تھا۔ کہ اپنی طاقت کے موافق گردن کو پیچ دیتا ہوا سر کو اوپر کرکے جلدی سے چونچ کو زمین پر مارتا۔ لوگوں کے انبوہ یا کسی کے ہاتھ لگانے کی بالکل پرواہ نہ کرتا۔ دانہ اور پانی کی طرف بھی بالکل خیال نہ کرتا۔ حضرت قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کی خدمت میں چند معززین شہر حاضر تھے۔ سب قدرت قدیر جل شانہ کے اس کمال کو دیکھ کر محو حیرت تھے۔ دوپہر سے شام تک لوگ یہ تماشا دیکھتے رہے۔ آخر شام کو ایک مضبوط قفس میں اسے ڈال کر بالکل احتیاط کے ساتھ قفس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

دوسرے دن صبح کو نزدیک اور دور کے بہت سے لوگ اس اعجوبہ قدرت کو دیکھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ جب قفس کو دیکھا تو بدستور بند ہے اور وہ پرند گم ہے۔ اس سے لوگوں کو اور زیادہ حیرت ہوئی کہ جس قفس کے سوراخوں میں انگلی نہیں جا سکتی۔ اس سے یہ پرندہ کیسے نکل سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کیا تھا۔

عجیبہ دوم سنہ ۱۳۱۱ھ میں جب کہ ٹنڈہ سائیں داد ڈاکخانہ ٹنڈہ محمد خان ضلع حیدر آباد سندھ میں مکانات تعمیر کرانے کا ارادہ ہوا اور بھٹوں میں اینٹیں پکوانے کا کام جاری کیا گیا تو اینٹیں پکانے والے مزدوروں نے حسب دستور ایک بھٹہ کو کچی اینٹوں سے بھر کر دو تین دن اس کو خوب آگ دی۔ اس کے بعد ایک ہفتہ تک بھٹہ کو اوپر سے بند کر دیا گیا تاکہ آگ کی گرمی باقی رہے اور اینٹوں کو اچھی طرح پکائے پھر اسے پانچ چھ دن کے لئے کھلا رکھا گیا تاکہ

اینٹیں سرد ہونے پر نکالی جا سکیں۔ جب اینٹیں نکالنے کا وقت آیا۔ تو میں بھی اینٹوں کے اچھی طرح پکنے یا نہ پکنے کے معائنہ کی غرض سے حاضر ہوا اور مزدور اینٹیں نکالنے میں مشغول ہوئے۔ اینٹیں بھی اچھی طرح پکی تھیں۔ جب اوپر کی دو قطاریں نکالی گئیں تو عین درمیان سے آدھی کچی اور آدھی پکی ہوئی اینٹیں ظاہر ہوئیں۔ مزدور لوگ حیران رہے کہ اگر بھٹہ کچا رہتا تو اوپر کی قطاریں کچی رہتیں یہ کیا معاملہ ہے کہ گرد اگرد بھی اینٹیں عمدہ پکی ہوئی ہیں۔ اور بیچ میں کیسے کچی رہ گئیں آخر ان کو بھی نکالنا شروع کیا۔ تو ان نیم خام اینٹوں کے درمیان سے ایک گز مربع میں اینٹیں صاف کچی نکلیں۔ میں بھی اس منظر کو تعجب کی نظر سے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ تو اچانک ان کچی اینٹوں سے ایک چھپکلی صحیح وسالم نکلی اور پھر اس جگہ سے اس کے انڈے بھی نکلے۔ کچھ تو اینٹوں کے زیر و بالا کرنے سے ٹوٹ گئے تھے اور کچھ سلامت رہے خود تو بھاگ کر بھٹے سے باہر خس و خاشاک میں جا کر چھپی اور انڈے وہاں چھوڑ گئی۔

ہم سب پروردگار عالم جل شانہ کے اس کرشمہ قدرت کو دیکھ کر حیرت میں رہ گئے۔ کہ اپنی قدرت کاملہ اور بے پایاں رحمت سے ایک ضعیف جانور کو ایسی تیز آگ سے نجات بخشی جس نے گرد اگرد سارے بھٹے کی اینٹوں کو پکایا تھا۔ ؎

گر خداوند من آن است کہ من میدانم   شیشہ را در بغل سنگ نگہ می دارد

عجیبہ سوم۔ ۱۳۱۲ھ میں ایک دن علاقہ تارہ ضلع تھر پارکر سندھ میں پرندوں کے شکار کرنے کی غرض سے جب ہم نکلے تو عصر کے وقت ایک جگہ ببول کے درختوں کے سایہ میں استراحت کے لئے بیٹھ گئے۔

وہاں دیکھا کہ ایک باز نے ہدہد کو شکار کیا ہے اور ہوا میں اس کے ساتھ کھیل رہا ہے کبھی اس کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بیچارہ پریشانی کی حالت میں اڑتا ہوا کچھ دور جاتا ہے پھر باز تیزی سے اس پر حملہ کر کے اپنے پنجہ میں لاتا ہے کچھ وقت اس کے ساتھ اس طرح کھیلتا رہا۔ آخر کھانے کی غرض سے اسے زمین پر لا کر ہمارے نزدیک بیٹھ گیا۔ جب اس نے دونوں پنجوں سے

بدبد کے پھاڑنے کا ارادہ کیا تو میں نے بندوق سے اس پر فائر کیا۔ بندوق کے چھروں نے باز کو ذرہ ذرہ کر دیا اور اس کا سینہ پاش پاش ہو گیا۔

مگر خدا تعالیٰ کی قدرت سے بے چارہ ہدہد جو اجل کے پنجے میں سخت گرفتار تھا۔ بندوق کے فائر سے ذرہ بھر نقصان بھی اُسے نہیں پہنچا البتہ باز کے صدمہ سے وہ اس قدر گھبرا گیا تھا کہ کچھ وقت تک اس میں اڑنے کی طاقت نہ رہی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی مرضی سے اڑ کر چلا گیا اور ہم سب دیکھنے والے حضرت خلاق عالم جل شانہ کی اس قدرتِ کاملہ کو دیکھ کر محو حیرت ہو گئے کہ اس حفیظ بیچوں جل شانہ نے ہدہد کو کس طرح اپنی پناہ اور حفاظت میں لے کر باز کے پنجے اور بندوق کے حملہ سے بچایا۔

عجیبہ چہارم ۱۳۳۲ھ میں بفضلہ تعالیٰ ہمیں سفر حجاز در پیش آیا۔ یوروپی ممالک میں جنگ چھڑنے کی وجہ سے بندر کویت سے براہ نجد جانا پڑا۔ کویت میں قافلہ کی تیاری کے لئے بیس دن معطل رہے۔ اس سفر کی پوری تفصیل تو سفرنامہ میں موجود ہے اس جگہ فقط ایک عجیب واقعہ لکھنا ہے وہ یہ ہے کہ ۲۸ شوال ۱۳۳۲ھ کو بندر کویت سے روانہ ہو کر آٹھ کوس کے فاصلہ پر ہمیں ایک کنواں ملا جہاں قافلہ کے اکٹھے ہونے اور پانی ساتھ لینے کی غرض سے دو روز ٹھہرنا پڑا۔

یکم ذیقعدہ کو قافلہ براہ صحرائے عرب روانہ ہوا۔ ہر روز طلوع فجر کے وقت روانہ ہوتے سارا دن صحرا نوردی کرتے ہوئے رات کو اسی صحرائے بے آب میں منزل انداز ہوتے پانچویں یا چھٹے دن کسی کنوئیں تک پہنچ جاتے۔ اس کنوئیں سے اونٹوں کو سیراب کیا جاتا اور خالی مشکیں بھری جاتیں۔ درمیان میں فقط جان بچانے کے لئے پانی کا استعمال کیا جاتا۔ الغرض اسی طریق سے مکہ معظمہ زادھا اللہ تعالیٰ شرفاً و تعظیماً تک بتیس منزلیں طے کیں اور ہفتم ذی حجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ ابتدائے سفر سے لے کر مکہ معظمہ تک ہمارے قافلے کے ساتھ دو پرندے رفیق ہو گئے جو ابابیل جیسے چھوٹے رسیاہ پشت و خاکی شکم و دراز دم تھے۔ حسب دستور عرب بے مہار اونٹوں

کا قافلہ سارا دن چلتا اور یہ پرندے بھی سارا دن کبھی قافلہ کے دائیں طرف کبھی بائیں طرف اڑتے چلتے اور کبھی قافلہ کے درمیان پرواز کرتے رہتے۔ جب رات کو قافلہ کسی جگہ منزل انداز ہوتا تو یہ پرندے غائب ہو جاتے اور معلوم نہیں ہوتا تھا۔ کہ رات کو یہ ضعیف جاندار کیا کھاتے ہیں اور کیا پیتے ہیں اور کہاں جاکر رہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی دو سے تین پرندے نظر آتے۔ پھر عجیب تر یہ واقعہ ہوا کہ ملک نجد کی آبادی میں قصیم ایک شہر ہے جہاں درخت خرما بکثرت ہیں۔ بادیہ نشین عربوں کے رواج کے مطابق گھروں کی دیواریں پختہ ہیں اور کچھ دکانیں بھی ہیں اور مسجد بھی ہے روزانہ وہاں عربوں کے صدہا اونٹ آتے اور صدہا جاتے ہیں ہمیں وہاں چار دن رہنا پڑا لیکن یہ پرندے بالکل نظر نہ آئے جس دن ہمارا قافلہ وہاں سے روانہ ہوا تو پھر اسی طرح وہ پرندے ہماری رفاقت میں شامل ہو گئے حرم محترم کی ارض پاک میں داخل ہونے تک یہ بے چارے رفیق سفر رہے اور کسی کو اس حقیقت کا راز معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ کیا تھے اور بتیس دن تک یہ بیچارے بغیر آب و دانہ ہمارے قافلہ کی رفاقت میں کیوں رہے؟ اور اس رفاقت میں ان کا کیا مقصد تھا۔ جو آخری راتوں کے اندھیرے میں بھی رفیق سفر رہتے۔ اور شہر قصیم کے نخلستان کی آبادی میں بھی نہ رہ گئے۔ اور جو تھے روز قافلہ کی روانگی کی خبر ان کو کیسے ہوئی؟ بے شک "وما یعلم جنود ربک الا ھو" خدا تعالیٰ ہی اپنی بے شمار مخلوقات کے بھیدوں کو اچھی طرح جانتا ہے"

عجیبہ پنجم۔ ۱۳۲۹ھ میں ایک افغان غلام سرور نامی ٹنڈو سائیں داد میں میرے پاس آیا۔ اسے بچپن سے صرع کی بیماری لاحق تھی اور مرض کے دورہ کے وقت کبھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو جاتی تھی کہ دورہ کے شروع ہونے پر بے ہوشی کی حالت میں بے اختیار کہیں اٹھ کر چلا جاتا اور چند قدم کے بعد گر پڑتا۔ ایک دن میں گھر میں تھا۔ کہ باہر سے غل ہوا۔ کہنے لگے کہ غلام سرور مسجد کے کنوئیں میں گر گیا ہے۔ باہر آنے پر معلوم ہوا کہ وہ مہمان خانہ کے دالان میں سویا ہوا تھا۔ خبر نہیں کس وقت اس کو دورہ شروع ہوا اور وہ بیہوشی کی حالت میں اٹھ کر کنوئیں

صحیفہ ۵

میں گر گیا ہے مہمان خانہ سے مسجد کا کنواں پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر ہوگا جس وقت سے وہ گرا ہے اس کا اندازہ خدا تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ جب گاؤں کا ایک آدمی کنوئیں سے پانی لینے کے واسطے آیا دیکھا تو کنوئیں کے اندر کوئی جانور ہے۔ اس نے شور مچانا شروع کیا کہ کنوئیں کی تاریکی میں کیا چیز ہے؛ جب دوسرے لوگ آئے تو معلوم ہوا کہ غلام سرور کنوئیں میں گر پڑا ہے پھر ایک آدمی کو رسی کے ذریعہ نیچے اتارا گیا اور دوسری رسی اس کو دی گئی تاکہ اس کے سینہ میں باندھے۔ جب اسے باہر نکالا گیا تو قدرت الٰہی جل شانہ سے اسے ذرہ بھر کوئی چوٹ یا صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ اور وہ بالکل صحیح و سلامت اور ہوش کے ساتھ باہر آیا۔ سطح زمین سے کنوئیں کے پانی کی سطح تک ۲۵ فٹ گہرائی تھی اور پانی بھی بہت عمیق اور گہرا تھا۔ یہ عجیب واقعہ دیکھ کر حیران رہے کہ نہ تو پانی میں غرق ہوا اور نہ اس کے اعضاء کو ہی کوئی صدمہ پہنچا فقط اس کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔

جب اس سے کیفیت دریافت کی گئی تو کہنے لگا۔ کہ مجھے زیادہ کوئی خبر نہیں سوائے کہ فقط باہر نکالے جانے کے وقت میں نے اپنے کو کنوئیں میں پایا۔ اور کنوئیں کا پانی گردن تک معلوم ہوا۔ اس حیرت افزا منظر سے سب حاضرین حیرت میں رہے۔

عجیبہ ششم حاجی عبد الصمد پشاوری افغان ۱۳۳۲ھ میں میرا ملازم اور خدمتگار تھا اور کئی سالوں سے درد سر کی بیماری میں مبتلا تھا۔ طلوع آفتاب سے لے کر دوپہر تک نیم بسمل مرغ کی طرح شدت درد سے تڑپتا تھا حکماء وقت کے بہت سے علاج کئے۔ ایارجات اور اطریفلات (جو دماغی بیماریوں کے لئے مفید دوائیں ہیں) کو بھی استعمال کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کبھی کہتا تھا۔ کہ جن کا اثر ہے۔

ایک دن علاقہ ڈھورہ نارہ ضلع تھرپارکر سندھ کے سفر کے دوران میں اس کو میں نے کہا کہ فلاں اونٹ کو سواری کے اسباب سے سجا کر لا جو کسی طرف بھیجنا ہے۔ اس نے اونٹ کو پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی۔ مگر اونٹ اپنی مستی اور موٹاپے کی وجہ سے بیٹھنا قبول نہیں کرتا۔ آخر تنگ آ گ

عبدالصمد اپنی افغانی شدت کے باعث زور سے اونٹ کو لپٹا۔ تو اونٹ نے اپنے سر کو
ایسی جنبش دی کہ وہ زمین پر آگرا۔ اور ساتھ ہی اونٹ نے عبدالصمد کے سر پر ایسی لات ماری
کہ وہ بیہوش ہو گیا۔ اور اونٹ بھاگ گیا۔ ہم نے جب جا کر اسے اٹھایا تو اس کے ناک سے
زرد رنگ کا پانی جاری ہوا۔ اس لئے اسے سرنگوں حالت میں رکھا گیا۔ اور تقریباً آدھے
سیر سے زیادہ پانی نکلا۔ تو وہ ہوش میں آیا اور خدا تعالیٰ کی قدرت سے وہ دردِ سر کی بیماری سے
بالکل شفایاب ہو گیا اور اس کے بعد تمام عمر کے لئے اس مرض سے اسے نجات مل گئی۔

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز تمہیں ناپسند ہوتی
ہے دراصل وہ تمہارے لئے باعثِ خیر ہوتی ہے۔

عجیبہ ہفتم ۱۳۲۵ھ میں برخوردار عبدالستار جان کی شادی خانہ آبادی کے
لئے سفر قندھار کا اتفاق ہوا۔ انہیں دنوں میں شاہ کابل کی طرف سے صوبہ قندھار کا حاکم اعلیٰ
دگورنر محمد عثمان خان نامی تھا۔ جو کاتب الحروف کا دوست تھا اور اس وقت نہر میوند کے
کنارے سے نہر سراج کے نکلوانے پر مامور تھا۔ رعایا سے سات آٹھ ہزار مزدور کھدائی کے
کام میں مصروف تھے۔

جب قندھار سے سندھ کی طرف واپسی کا ارادہ ہوا۔ تو مصلحت وقت کی بنا پر
بعض دوستوں نے مشورہ دیا۔ کہ حاکم مذکور کی ملاقات کے بغیر واپس جانا اچھا نہیں کیونکہ
خود غرض لوگ اس کو بے توجہی پر محمول کر کے حاکمِ وقت کو مکدرِ خاطر کریں گے ممکن ہے کہ اس
سے مقامی اعزہ و اقارب کو تکلیف پہنچائی جائے۔ آخر دوستوں کے مشورہ پر نہر سراج کی طرف
روانگی ہوئی جو شہر قندھار سے مغربی طرف تین دن کی مسافت پر واقع ہے۔

تین چار خادم اور دو تین عزیز حضرات رفیق ہوئے تیسرے دن دوپہر کو "سنگ برد"
کے مقام پر پہنچے اور درختوں کے سایہ میں آرام لیا۔ اسی جگہ ایک قدیمی قبرستان ہے۔
وہاں معلوم ہوا کہ یہاں ایک مزار ولی اللہ کا ہے قدیم الایام سے صاحبِ قبر اپنی قبر میں

سلامت پڑا ہے کئی صدیاں گزر گئیں۔ اس کے مبارک وجود کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ لوگوں
نے اسے بابا امانت مشہور کر رکھا ہے اس کی زیارت کا ارادہ ہوا۔ وہاں ایک وسیع اور کہنہ قبرستان
ہے۔ مجاوروں کے چند گھر ایک کونے پر موجود ہیں۔ ایصال ثواب کی غرض سے فاتحہ پڑھی گئی۔
مجاوروں سے بابا امانت کے مزار کا پتہ پوچھا گیا۔ ایک مجاور نے مزار دکھلایا جو زیر زمین گویا ایک
تنگ و تاریک چھوٹے سے حجرہ میں ہے۔ سطح زمین سے سات آٹھ زینے نیچے ہے۔ سب
رفیقوں نے کہا کہ ہم اس تنگ و تاریک حجرہ کے اندر نہیں جاتے یہاں سے ایصالِ ثواب
کے لئے فاتحہ پڑھتے ہیں۔ مجھے اس کی عجیب کیفیت معلوم کرنے کا شوق ہوا۔ زمین کے اندر
گیا۔ برخوردار عبدالستار جان جو رفیق سفر تھا وہ بھی میرے پیچھے اندر آیا۔ اس حجرہ کا طول شمال
سے جنوب تک چھ سات گز شرعی اور عرض مشرق سے مغرب تک چار گز شرعی سے کم تھا جنوبی
طرف سے قبر میں داخل ہونے کا راستہ تھا نیچے پہنچ کر دیکھا کہ لوہے کے پنجرے میں ایک
شخص میت کی صورت میں پڑا ہے اور پنجرے کے اوپر سبز کپڑے کا قبر پوش ہے قبر پوش آہستگی
سے اٹھا کر دیکھا تو میت کا سر خلافِ عادت جنوب کی طرف ہے اور پاؤں شمال کی طرف ہیں۔
تمام اعضاء سلامت ہیں۔ پوست بدن پر خشک ہو گیا ہے سر اور داڑھی کے بال نہیں تھے۔
بدن کی ہڈیاں بہت ضعیف معلوم ہوتی تھیں اگر کوئی ہاتھ لگائے تو ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں
خیر ایک ساعت بیٹھ کر فاتحہ و درود دعا مغفرت پڑھی اور باہر آ گئے مجاوروں سے صاحبِ
قبر کے سر اور پاؤں کے خلافِ عادت پھیرنے کی حقیقت پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ برابر پہلے
سر شمال کی طرف تھا اور پاؤں جنوب کی طرف تھے جس سال امیر عبدالرحمٰن خان والی کابل نے
قوم ہزارہ کا ملک روزگان نامی فتح کیا جو تقریباً ۱۳۱۲ھ میں فتح ہوا انہی دنوں میں ایک
دن دیکھا گیا کہ میت کی لاش پھر گئی ہے سر جنوب کی طرف ہو گیا ہے اور پاؤں شمال کی طرف
ہو گئے ہیں۔ کیونکہ قوم ہزارہ (جو غالی شیعہ ہیں) کا ملک شمال کی طرف تھا۔ گویا بابا امانت علیہ
الرحمۃ نے شمال کی طرف پاؤں کر کے شمال سے جنوب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شیعہ مذہب

والوں کو زیر پا کرکے حاکم وقت کے ذریعہ مقہور و مغلوب بنایا گیا ہے۔

ہمیں اس بات پر حیرانگی ہوئی کہ لاش کی طوالت چار یا پانچ گز شرعی رہا تھا ہے اور حجرہ کا عرض چار گز شرعی رہا تھا سے کم ہے ایسی طویل لاش اس تنگی میں شمال سے جنوب کی طرف کیسے ہو گئی حالانکہ بدن کی ہڈیاں ایسی ضعیف ہیں کہ تھوڑی سی حرکت سے جدا جدا ہو جائیں۔ اور مجاورین کی طاقت سے بعید ہے کہ وہ لاش کو شمال سے جنوب کی طرف پھیر سکیں ذالک تقدیر العزیز العلیم

عجیبۂ ہشتم :۔ ۱۳۳۱ھ میں گرمی کے باعث کاتب الحروف کی سکونت کوئٹہ بلوچستان میں تھی۔ ایک ہندوستانی سیلح مولوی صاحب جن کا نام اس وقت یاد نہیں رہا اور سابقہ تعارف کی وجہ سے میرے پاس پہنچا اور حزب البحر کے وظیفہ کی اجازت مجھ سے لے کر اس کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہی وہ نسخہ جو حضرت والد ماجد قبلہ قدس سرہ بطریق توارث ملا تھا اس نسخہ کی نقل اجازت سمیت مولوی صاحب کو دی گئی اور مولوی صاحب نے کہا کوئی ایسی جگہ بتائی جائے جہاں بنی آدم کا گزر نہ ہو تاکہ بارہ دن وہاں رہ کر حزب البحر کی زکوٰۃ ادا کریں انہیں ایک جگہ پہاڑ کے کنارہ پر جو میرے مکان سے تین میل کے فاصلہ پر تھی بتائی گئی جہاں ایک پرانی کاریز تھی جس کے کنوؤں میں کچھ پانی بھی تھا اور ایک گھر بغیر سقف بھی تھا۔

مولوی صاحب کو بارہ دن کی روزہ افطاری کے لئے دو سیر جو کا آٹا پانی پینے کے لئے ایک آبخوری اور روٹی پکانے کے واسطے ایک آہنی توا دیا گیا۔ مولوی صاحب وہاں جا کر حزب البحر کے پڑھنے میں مشغول ہوئے۔ وہاں رات و دن اکیلے رہتے تھے بارہ دن کے بعد واپس آئے اور کہنے لگے کہ پرہیز کے ساتھ وظیفہ کی زکوٰۃ ادا کی گئی۔ مگر مقصود حاصل نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کروں اور بارہ دن کا خرچ اپنے ساتھ لے جا کر وظیفہ پڑھوں۔ دوسری دفعہ فقط ڈیڑھ سیر جو کا آٹا اپنے ساتھ لیا بڑی محنت اور تکلیف کے ساتھ اپنے مقصود میں مقررہ مدت کے بعد کامیاب ہو کر آئے اور کہنے لگے کہ اس دفعہ بڑے عجائبات دیکھے ہیں (جن کا مفصل بیان اس رسالہ میں نہیں کیا جا سکتا) مختصر طور پر قابل ذکر یہ ہے کہ وظیفہ پڑھتے وقت بہت سی ہیبتناک شکلیں ظاہر ہوتی تھیں اور مجھ پر

حملہ کرنا چاہتی تھیں پھر نظر سے غائب ہو جاتی تھیں اور مجھے سخت ڈر ہوتا تھا۔ ناگاہ ایک شخص نورانی شکل سفید لباس والا ظاہر ہوا اور مجھے کہا کہ حزب البحر کے پڑھنے میں ایک حرف غلط پڑھتے ہو اس کو صحیح کر کے پڑھو تاکہ ان ڈراونی شکلوں کے نقصان سے محفوظ و سلامت رہو میں نے کہا وہ کونسا حرف ہے مجھے سکھاویجئے خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اس نے کہا تو فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ الْمُضِیَّ والے جملہ میں مضی کے آخری حرف کو مجیئ کے وزن پر ہمزہ کے لہجہ میں پڑھتا ہے اور یہ غلط ہے بلکہ اسے مضیّ یائے مشددہ کے ساتھ پڑھنا چاہیئے بس اتنا کہہ کر غائب ہو گیا اور میں نے بتائے ہوئے طریقہ پر پڑھنا شروع کیا چنانچہ ایک رات دو شخص بڑی جلالت شان اور نورانیت کے ساتھ ظاہر ہو کر میرے نزدیک آ بیٹھے میں نے ان سے دریافت کیا آپ کون حضرات ہیں ایک نے کہا میں حزب البحر کا مصنف ہوں اور جس نے تجھے صحیح پڑھنے کی تعلیم دی تھی وہ میں ہی ہوں دوسرے نے کہا کہ جس شخص نے تجھے اس وظیفہ پڑھنے کی اجازت دی ہے میں اس کے اجداد میں سے ہوں ہم دونوں تجھے تسلی اور اطمینان دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور آداب بجا لایا! و وہ نظر سے غائب ہو گئے پھر دوسرے دن یا دو تین دن کے بعد (کاتب الحروف کو یاد نہیں رہا کیا لفظ کہا تھا) ایک شخص نے ظاہر ہو کر مجھے کہا تیرا مقصد کیا ہے؟ میں نے اپنا سارا حال عرض کیا۔ کہنے لگا اٹھ اور میرے ساتھ چل میں اٹھا اور اس خط وظیفہ (لکیری دائرہ سے جو حزب البحر کے پڑھتے وقت حفاظت کے لئے کھینچا جاتا ہے) سے باہر آ کر چند قدم اس کے پیچھے گیا اور میں نے اپنے آپ کو کسی دوسرے ملک میں پایا۔ بہت ڈرا اور چلنے سے رہ گیا پھر وہ بزرگ کہنے لگا۔ کہ کیا چاہتا ہے میں نے کہا مجھے واپس اسی جگہ پہنچا دو۔ فرمایا افسوس تجھے استقامت نہیں ہے اب آنکھیں بند کر آنکھیں بند کیں تو اسی وقت حزب البحر والے دائرہ میں اپنے کو پایا۔ اور پھر اسے نہ دیکھا۔ پورے پرہیز کے ساتھ زکوٰۃ حزب البحر ادا کرنے کے بعد اب آپ کی خدمت میں واپس آیا ہوں۔

مولوی صاحب نے دوسری بہت سی عجیب وغریب حکایات بیان کیں مگر چونکہ ہمکو
اپنے حافظہ پر اعتماد نہیں ہے اس لئے یہاں نہیں لکھ سکتا مولوی صاحب کچھ دن اور بھی
میرے ہاں ٹھیرے۔ پھر اپنے وطن ہندوستان کامیابی کے ساتھ مراجعت فرمائی۔

عجیبۂ نہم۔ ۱۳۲۰ھ میں آستان بوسی حرمین شریفین (زادھما اللہ تعالیٰ تشریفاً
وتعظیماً) کے لئے بلاد بمبئی نیازمند کے سفر کا اتفاق ہوا۔ وہاں قرنطین میں دو ہندوستانی
حافظ القرآن رفیق سفر ہوئے ان میں جو بوڑھا تھا وہ دوسرے نوجوان کا استاد تھا، وہ دونوں نہ
فقط دریائی سفر میں ہمارے ساتھ رہے بلکہ قافلہ حجاز مقدس میں بھی ہمسفر تھے۔

اتفاقاً بڑے حافظ جی بعد فریضہ حج پیٹ میں شدید درد پیدا ہونے کے باعث بیمار ہوگئے
روز بروز مرض بڑھتا گیا اور ان کی حالت بہت ضعیف ہوگئی۔ آخر زیارت پاک حضرت سید
المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کے لئے روانگی ہوئی تو انہوں نے
اپنے کو کجاوہ کے ایک پلہ میں رکھوایا اور بفضلہ تعالیٰ سب اکٹھے مدینہ منورہ میں زیارت سے
مشرف ہوئے مگر ان کی سکونت وہاں ہم سے جدا تھی چھوٹے حافظ جی روزانہ آکر بڑے حافظ
جی کی شدت مرض کی اطلاع دیتے اور اس کی خدمت میں مشغول رہتے۔ اونٹ والوں نے
آٹھوں کی مہلت کے بعد واپسی کے لئے تیاری کا اعلان کیا اور وہ قضائے مبرم کی طرح کسی کو
ایک گھڑی کی مہلت بھی نہ دیتے۔

کجاووں میں ہم نے اسباب سفر تیار کیا۔ تو چھوٹے حافظ جی آئے اور کہنے لگے کہ بڑے حافظ
جی سکرات کے عالم میں ہیں۔ اور قریب المرگ ہیں۔ اونٹ والے بدوی مجھے ان کے انتقال تک
نہیں چھوڑتے ہم نے کہا۔ ان کو اسی حالت میں یہاں لے آؤ۔ ممکن ہے کہ ان کی حالت کو دیکھ
کر کچھ رحم کرکے ایک ساعت مہلت دیں۔ اس کے بعد جب ہم مقام مناخہ میں پہنچے تو چھوٹے
حافظ جی نے آکر اطلاع دی کہ بڑے حافظ جی کجاوے تک پہنچتے ہی رحلت فرما گئے۔ ہم سب
سوالی کی حالت میں پریشان اور حیران ہو کر بڑے حافظ جی کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ تھوڑی سی روح

اتنا ہی باقی ہے جو دس بارہ منٹ تک ختم ہو جائیگی شتربانوں نے ان کے اٹھانے سے انکار
کیا اور ان کے لئے قافلہ کا روکنا بھی اس وقت محال تھا مجبوراً بڑے حافظ صاحب کے اوپر
ایک سفید کپڑا ڈال کر اسی امید پر انہیں وہاں چھوڑ گیا کہ سرکاری ملازم ان کے دفن کا انتظام
کرینگے۔ اور چھوٹے حافظ جی اپنے اسباب سمیت ہمارے ساتھ قافلہ میں روانہ ہوئے۔ دس روز
کے بعد ہم ینبوع پہنچے پھر دریائی سفر کے ذریعے جدہ پہنچے۔ بمبئی جانے والے جہاز میں تین دن
کی دیر تھی۔ چوتھے دن جب دریائی سفر کی تیاری ہوئی اور جہاز میں سواری کا بندوبست کرنے لگے
دیکھا تو بڑے حافظ جی بالکل تندرست و توانا بڑے جوش و خروش کے ساتھ السلام علیکم کہتے
ہوئے پہنچے اور چھوٹے حافظ جی کے ساتھ جھگڑنے لگے۔ ہم سب محو حیرت رہ کر فکر کرنے لگے کہ
ان سے مرنے کے بعد زندہ ہونے کی حقیقت پوچھیں یا آپس میں ان کی مصالحت کی کوشش
کریں۔ الغرض کچھ وقت تو ساری جماعت پر خاموشی اور حیرت کی حالت چھا گئی۔ اس کے بعد نرمی
سے ان کی آپس میں صلح کرائی پھر ان سے ساری کیفیت پوچھی گئی تو کہنے لگے کہ مجھے زیادہ خبر نہیں
کہ مجھ پر کیا حالت گزری۔ اتنا معلوم ہوا کہ اوپر والا کپڑا سفید جو آپ لوگوں نے مجھ پر ڈالا تھا کسی نے
زور سے آ کر کھینچا اور میں ہوش میں آیا دیکھا تو نہ کوئی رفیق ہے اور نہ قافلے کا پتہ ہے کمال ناامیدی
کی حالت میں قلبی خلوص اور دلی توجہ کے ساتھ بحضور اقدس حضرت رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم متوجہ ہو کر کہا۔ فریاد رس یا مصطفےٰ!
بس اسی وقت میں نے اپنے بدن میں طاقت معلوم کی اور کروٹ بدلی پھر اور زیادہ طاقت
معلوم ہوئی تو اٹھا اور مسجد منور حرم محترم کی طرف پاپیادہ روانہ ہوا دربار اقدس میں حاضر ہوا۔ تو
مجھے ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ میرے بدن میں کوئی بیماری نہیں ہے رات وہاں گذاری۔
دوسرے دن ان باقی ماندہ حاجیوں کے پاس گیا جن کے پاس اونٹ تھے۔ انہوں نے خوشی
سے مجھے سوار کیا اور ینبوع پہنچایا۔ دوسرے دن جہاز ملا سوار ہو کر ابھی آپ کے پاس پہنچا
ہوں۔ اس واقعہ کو حضرت رسول اکرم رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کا خاص

معجزہ سمجھ کر شوق سے ہم سب "الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ" کہتے ہوئے محو حیرت رہے :-

یا حبیب الالٰہ خذ بیدی　　ما لعجزی سواک مستند

اے رب العزت کے حبیب میری دستگیری فرما عاجزی میں آپ کے سوا میرا کون سہارا ہے۔

کن رحیما لذلتی واشفع　　یا شفیع الوریٰ الی الصمد

خدائے بے نیاز کی درگاہ میں مہربانی فرما کر میری لغزش کی سفارش فرما۔

اعتصامی سوا جنابک لی.　　لیس یا سیدی الی احد

اے میرے سردار! آپ کی درگاہ کے سوا میری کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

غیر مرواک لیس فی الدارین　　لذلیل علیل معتمد

دونوں جہانوں میں مجھ جیسے حقیر و ناتوان کے لئے آپ کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں

صلواتی علیک فی الکونین　　کان متجاوزا عن الحد

میری طرف سے دونوں جہانوں میں آپ پر بے حساب درود و سلام ہو۔

وعلی الصحابۃ الذین ھم کانوا　　لخیام السداد کالوتد

اور صحابہ کرام پر　　جو خیمہ شریعت کے رکن ہیں۔

قل ذلیلا اذا دھاک بلاء　　یا حبیب الالٰہ خذ بیدی

اے طالب جب تجھے مصیبت پیش آئے تو نہایت عجز کے ساتھ کہہ کہ اے حبیب رب العزت میری دستگیری فرما

عجیبہ دہم: ۱۳۲۱ھ میں فقیر کاتب الحروف کی سکونت عیال سمیت کوئٹہ میں تھی۔ انہی ایام میں ایک شخص ایک پتھر میرے پاس لایا جس کا وزن تقریباً دو سیر ہندی تھا۔ اس نے کہا کہ بلوچستان کے پہاڑوں سے یہ ملا ہے چونکہ عجیب ہیئت کا پتھر ہے اس لئے تحفہ کے طور پر خدمت میں لایا ہوں۔

جب پتھر کو غور سے دیکھا تو قدرت الٰہی جل شانہ سے گیہوں کے سب اقسام اس میں

نظر آئے گویا صدہا قسموں کے گیہوں کے دانے اور دیگر جنسیں اس میں پوشیدہ تھیں۔ بعض چھوٹے دانے بعض بڑے بعض گول بعض درمیانہ بعض لمبے اور کئی جگہ گیہوں کے خوشے دانوں سمیت اس میں نظر آتے تھے حضرت قدیر جل سلطانہٗ کی قدرت کاملہ کا عجیب منظر تھا۔ اس پتھر کا ایک کونہ ٹوٹا ہوا تھا۔ اس لئے اندر سے بھی دانے نظر آتے تھے۔ پتھر خاکی رنگ کا تھا اور دانے سفید گندم گوں اس میں چھپے ہوئے معلوم ہوتے تھے اگر بالکل غور سے پتھر کو دیکھا جائے تو غلہ جات کی دوسری قسمیں (جوار، جو، باجرہ، لوبیا و ماش وغیرہ) بھی نظر آتے ہیں۔ وہ ملدم تحریر وہ پتھر میرے غریب خانہ میں موجود ہے خدا تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مختلف قسم کے غلے خدا تعالیٰ کی قدرت سے اس میں کیوں چھپے ہوئے ہیں اور اس میں کیا راز ہے؟ ذلک تقدیر العزیز العلیم۔

عجیبہ یازدہم۔ ۱۳۱۵ھ ماہ ذیقعدہ تاریخ دوم روز جمعہ جب حضرت والد ماجد قبلہ گاہ قدس سرہ کا انتقال ہوا۔ تو صبح سے لے کر ظہر تک ایک غیر معمولی غبار پیدا ہوا جس میں گرد خاک یا ابر و بارش کا کچھ بھی اثر نہ تھا اور بلا تکلف سورج کی طرف دیکھا جا سکتا تھا اور آفتاب چاند جیسا سفید معلوم ہوتا تھا۔ اس غبار میں سورج نکلنے کے وقت سفید رنگ مائل بغبرت دراز گردن کے پرندے بہت نمودار ہوئے جن کی شکل بطانی کے پرندوں سے ملتی جلتی تھی حضرت والد قبلہ گاہ قدس سرہ کے مکان کے ارد گرد اور در و دیوار پر اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ ہر ایک شخص تعجب سے ان کی طرف دیکھتا تھا کہ اس نامعلوم شکل کے پرندے اتنی بڑی کثرت کے ساتھ کہاں سے آئے اور کس غرض کے لئے ایک مخصوص مکان کے ارد گرد در و دیوار پر جمع ہونا اور اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا ہے۔

آخر کار ایک پہر گذرا اور حضرت والد ماجد قبلہ گاہ قدس سرہ کا جنازہ مسجد کی طرف اٹھایا گیا۔ تو یہ پرندے بیٹھے تھے۔ جب جنازہ باہر نکالا گیا تو سب پرندے اڑ کر چلے گئے اور معلوم نہ ہو سکا کہ کدھر سے آئے اور کدھر گئے عجیب ترین بات یہ تھی کہ اس وقت لوگوں کا بڑا ہجوم اور سوختہ دلوں کا شور و فغاں بھی بہت تھا مگر یہ پرندے اپنے خیال کے مطابق حویلی کے در و دیوار

اٹھتے بیٹھتے تھے لوگوں کے ہجوم و کثرت کا بالکل خیال بھی نہ کرتے تھے۔ یہ تماشا سب حاضرین نے دیکھا پھر جس کو یاد رہا یاد رہا اور جس کو بھول گیا بھول گیا۔ یہ قصہ کتاب انیس المریدین میں (جو حضرت والد قبلہ گاہ علیہ الرحمۃ کے سوانح حیات و ملفوظات میں نیاز مند کی تالیف ہے) مفصل مذکور ہے۔

عجیب و غریب واقعہ دوازدھم و بارھواں) ١٣٢٠ھ میں ایک دن موسم سرما کے اوائل میں آسمان میں بادل اور رعد نمودار ہوئے۔ اور ان میں ایک لمبی اور ہیبت ناک آواز جو رعد سے مختلف تھی سننے میں آئی جس سے ہر ایک شخص حیرت میں رہ گیا کہ یہ کیا آواز ہے؛ چار پانچ دن کے بعد معلوم ہوا۔ کہ سنڈری تعلقہ سانگھڑ ضلع تھرپارکر سندھ میں بجلی گری ہے اور آسمان سے ایک ثقیل وزن دار پتھر توپ کے گولے کی طرح گرا ہے اور زمین کو چیرتا ہوا بہت نیچے گیا ہے اور اس تحصیل کے تحصیلدار نے بڑے بڑے زمینداروں کو اکٹھا کرکے پتھر کو نکلوایا ہے اس پتھر کے گرتے وقت اس کے چند ٹکڑے جو اس کے اردگرد گرے تھے۔ وہ بھی زمین کے اندر چلے گئے۔ ان ایام میں وہاں کا ڈپٹی کلکٹر سردار یعقوب خان تھا جس کا کاتب الحروف کے ساتھ تعارف تھا۔ اتفاقاً اس واقعہ کے فوراً بعد حیدرآباد سندھ میں اس کی ملاقات مجھ سے ہوئی دوران گفتگو میں اس واقعہ کا ذکر آیا۔ تو موصوف نے بتایا کہ اس پتھر کا ایک ٹکڑا اُسے بھی دستیاب ہوا ہے چنانچہ اس نے ملازم سے کہہ کر وہ ٹکڑا منگایا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایسی چیز ہے کہ جس کو نہ پتھر کہہ سکتے ہیں نہ لوہا۔ گرانی میں تو لوہے سے بھی زیادہ ثقیل اور خبث الحدید جیسا کالا رنگ ہے اور اگر جا تو سے اسے کھرچا جائے تو اس کے باریک اجزا اس سے جدا ہوتے تھے۔ وہ ٹکڑا نمونہ کے لئے مجھے دیا گیا۔ اس کی شکل عجیب رنگ کی تھی کچھ وقت وہ میرے پاس رہا۔ مدت کے بعد بے ترجیحی کے باعث گم ہو گیا۔ زمانہ کے محققین اس کی حقیقت معلوم کرنے میں حیران تھے بعض گمراہ فلسفیوں کا خیال تھا کہ زمین کے بخارات کرہ زمہریر میں جم کر پتھر جیسے ہو گئے ہیں بادلوں کے ٹکرانے سے زمین کی مقناطیسی کشش نے اسے اپنے مرکز کی طرف کھینچا ہے۔

اور اہل شریعت کہتے تھے کہ شہاب کا ٹکڑا فرشتوں نے شیاطین کو مارنے کے لئے پھینکا ہے جو زمین کو چیرتا ہوا اندر چلا گیا ہے۔ اور اس حقیقت کا بہترین علم حضرت خلاق عالم جل شانہ کو ہے۔

عجیبہ سیزدھم (تیرھواں) ۱۳۴۶ھ میں ایک پٹھان سیاحت کے طور پر جیسا کہ بندگان خدا گداگری کے بہانے سے پھرا کرتے ہیں، سندھ سائیٹ والا میں میرے پاس آیا! اس کو پیدائشی طور پر کان بالکل نہ تھے اور کانوں کی جگہ نصف (چنے) باقلا کی مقدار پر گوشت ابھرا ہوا تھا۔ اور کانوں کے سوراخ بالکل نہ تھے۔ اور اس حالت پر بھی لوگوں کی باتیں بلا تکلف سنتا تھا اور افغانی زبان بلا تکلف بولتا تھا۔ اس نے اپنا نام و پتہ و وطن وغیرہ سب احوال بیان کیا تو میں نے اس سے پوچھا۔ کہ تیرے کان تو خلقتاً بند ہیں پھر ہماری باتیں کیسے سنتا ہے۔ کہنے لگا۔ کہ آنکھوں سے سنتا ہوں۔ حالانکہ فلسفی حکما کان اور آنکھ کے درمیان کوئی راہ نہیں بتلاتے۔

"ذٰلک تقدیر العزیز العلیم"۔

تمام شد